معارف

مئی ۲۰۱۹ء

مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

سالانہ زرتعاون

ہندوستان میں سالانہ ۲۸۰؍روپئے۔ فی شمارہ ۲۵؍روپئے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۴۸۴؍روپئے

دیگر ممالک میں سادہ ڈاک ۱۶۶۰؍روپئے۔ دیگر ممالک رجسٹرڈ ڈاک ۱۷۸۰؍روپئے

ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۳۰۰؍روپئے میں دستیاب۔

پاکستان میں ماہنامہ معارف کے لئے رابطہ کریں

HAFIZ SAJJAD ELAHI

196 - AHMAD BLOCK, NEW GARDEN TOWN

LAHORE (PUNJAB) PAKISTAN

Tel: 0300 - 4682752, (R) 5863609, (O) 7280916

Email: abdulhadi_133@yahoo.com

سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں۔

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

- زرتعاون ختم ہونے پر تین ماہ کے بعد رسالہ بند کردیا جائے گا۔
- معارف کا زرتعاون وقت مقررہ پر روانہ فرمائیں۔
- خط وکتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم ازکم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
- کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

Email: shibli_academy@rediffmail.com, info@shibliacademy.org

Website: www.shibliacademy.org

Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh

Account No: 4761005500000051 - IFSC No: PUNB0476100

✆ (Office Mobile) 09170060782

ڈاکٹر فخرالاسلام اعظمی (جوائنٹ سکریٹری؍منیجر) نے معارف پریس میں چھپوا کر

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۲۰۳ ماہ رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ مطابق ماہ مئی ۲۰۱۹ء عدد ۵

فہرست مضامین

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

شذرات

گجرات کے ۲۰۰۲ء کے مسلم کش فسادات کا ذکر آتا ہے تو دل میں ایک تیر سا لگتا ہے۔ ظلم و جبر سے بھری ہوئی اس دنیا میں بھی اس درجہ بربریت کی مثالیں کم ہی ملیں گی۔ اس کا سب سے نمایاں پہلو یہ تھا کہ یہ ایک منصوبہ بند آپریشن تھا جو حکومت وقت کی نگرانی میں انجام دیا گیا۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس سے تعلق رکھنے والے بعض نہایت سنگین واقعات میں عدالتوں اور خاص طور سے عدالت عظمیٰ کی مداخلت کی وجہ سے کسی نہ کسی حد تک انصاف کے تقاضے بھی پورے ہوئے ورنہ اکثر و بیشتر اس طرح کے معاملات میں انصاف حکومت کے ہاتھ میں یرغمال بن کر رہ جاتا ہے۔ اس کی وجہ جہاں ان انصاف پسند افراد اور انجمنوں کی کوششیں ہیں جنھوں نے مذہب اور رنگ و نسل سے بالاتر ہو کر ان مظلومین کی لڑائی لڑی وہیں بعض ایسے باہمت افراد بھی ہیں جنھوں نے تمام تر مشکلات اور خطرات کے باوجود حصول انصاف کے لیے اس طرح جدوجہد کی کہ وہ ایک مثال بن گئی۔ حکومت وقت سے لڑنا آسان نہیں۔ یہ مشکل اس وقت اور بھی بہت بڑھ جاتی ہے جب فسادات منصوبہ بند طریقے پر حکومت کی نگرانی میں کرائے گئے ہوں۔ اس پس منظر میں دو نام خاص طور سے ابھر کر سامنے آتے ہیں جنھوں نے مشکل ترین حالات میں بھی ہار نہیں مانی اور تمام تر مشکلات اور مسائل کے باوجود حکومت کے جبر کے سامنے چٹان کی طرح کھڑے رہے اور کوئی دھمکی اور کوئی دباؤ ان کے عزم و حوصلہ کو توڑنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ یہ عجیب بات ہے کہ دونوں کا تعلق صنف نازک سے ہے۔ اس سلسلہ میں پہلا نام ایک ضعیف اور معمر خاتون کا ہے جن کی عمر اب اسّی سال سے متجاوز ہو چکی ہے۔ ان کا نام ذکیہ احسان جعفری ہے۔ گجرات فسادات کے دوران احمد آباد کے چمن پورہ محلہ میں گلبرگ ہاؤسنگ سوسائٹی کو جلا کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ وہیں کانگریس کے سابق ایم۔ پی احسان جعفری بھی سکونت پذیر تھے۔ گلبرگ کے بیشتر مکین ان کے بنگلہ میں پناہ گزیں تھے۔ احسان جعفری سمیت وہاں موجود ۶۹ لوگوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ ذکیہ جعفری بچ گئیں اور اس وقت سے آج تک جس ہمت اور حوصلہ سے وہ انصاف کی لڑائی لڑ رہی ہیں وہ ایک مثال کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ ان کی انتھک کوششوں سے کئی ملزمین کو سزائیں مل چکی ہیں لیکن اصل مجرم ابھی تک قانون کی دسترس سے باہر ہیں۔ ذکیہ جعفری کو قانون کی بالادستی پر یقین ہے۔ ہم بھی یقین کرتے ہیں کہ اس مظلوم اور بہادر خاتون کی انصاف کے حصول کے لیے یہ بے مثال جدوجہد ایک دن ضرور رنگ لائے گی۔

اس سلسلہ میں دوسرا نام بلقیس بانو کا ہے۔ انصاف کے لیے ان کی طویل اور حد درجہ پرخطر جدوجہد اور بھی حیران کن ہے۔ وہ معاشرہ کے کمزور طبقے سے تعلق رکھنے والی ایک نادار، ناخواندہ، کمزور اور کم عمر خاتون تھی۔ جب وہ اس شدید آزمائش سے دوچار ہوئی اس وقت اس کی عمر صرف انیس سال تھی۔ اس کے اوپر سے جو قیامت گزر گئی اس کا تصور بھی لرزہ خیز ہے۔ ۳/مارچ ۲۰۰۲ء کو وہ اپنے پورے کنبے

کے ساتھ ایک ٹرک میں کسی جائے پناہ کی تلاش میں نکلی تھی۔ فسادیوں نے انہیں راستے میں روک لیا۔ خاندان کے ۱۴/افراد کو نہایت بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی دو سالہ معصوم بچی صالحہ کے سر کو پتھروں سے کچل کر مار ڈالا گیا۔ پھر اس مظلوم کے اوپر جو کچھ گذری اس کا تصور بھی مشکل ہے۔ وہ سب اس کے پڑوسی تھے۔ ان میں سے ہر ایک کو وہ اس کے نام سے جانتی تھی۔ پھر وہ اس کو مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے۔ زندگی تھی جو بچ گئی۔ پھر انصاف کے لیے اس کی طویل اور صبر آزما جدوجہد شروع ہوئی۔ پولیس نے ایف، آئی، آر غلط لکھی۔ ڈاکٹروں نے غلط میڈیکل رپورٹ تیار کی۔ مجرمین کو بچانے کے لیے جہاں تک ممکن تھا ہر ثبوت کو مٹانے کی کوشش کی گئی۔ ان اسباب کی وجہ سے مقدمہ خارج ہو گیا لیکن اس باہمت خاتون نے حوصلہ نہیں ہارا۔ جان کا خطرہ ہر وقت موجود تھا۔ اس کی وجہ سے اس کو بار بار اپنا ٹھکانہ بدلنا پڑتا۔ ایک مدت تک اس نے خانہ بدوشوں کی طرح زندگی گزاری۔ سب کچھ ہوا لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری اور انصاف کے لیے اس کی جنگ جاری رہی۔ اس طویل سفر میں اس کو مددگار بھی ملے اور غم خوار بھی۔ شوبھا گپتا ۲۰۰۳ء سے اس کا مقدمہ لڑتی رہی ہیں اور اس سلسلہ کی آخری جنگ بھی انہوں نے ہی لڑی۔ اور بھی کئی نام ہیں جنھوں نے دست تعاون بڑھایا۔ قومی انسانی حقوق کمیشن کی مدد سے مقدمہ از سر نو شروع ہوا۔ سی، بی، آئی کی انکوائری کی روشنی میں پوری صورت حال آئینہ ہو گئی۔ اس کے نتیجہ میں ان ۱۱/لوگوں کو عمر قید کی سزا ہوئی جو اجتماعی آبروریزی کی بربریت میں ملوث تھے۔ پولیس کا عملہ اور ڈاکٹر جو ثبوت ضائع کرنے کے ملزم پائے گئے ان کو بھی سزا ہوئی۔

بلقیس بانو جس کرب اور اذیت سے گزری اور انصاف کے حصول کے لیے اس نے جو طویل اور پر خطر جنگ لڑی، واقعہ یہ ہے کہ اس کا کوئی معاوضہ ممکن نہیں۔ البتہ انصاف اور قانون کا تقاضہ تھا کہ علامت کے طور پر ہی سہی اسے کوئی معاوضہ دیا جائے۔ معاملہ سپریم کورٹ میں تھا اور گجرات گورنمنٹ کے لیے اس ذمہ داری سے فرار ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ ان کی طرف سے پانچ لاکھ اور آخری طور پر دس لاکھ کے معاوضہ کی پیشکش کی گئی۔ بلقیس بانو کی وکیل شوبھا گپتا کا مطالبہ ایک کرور کا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ غیر معمولی حالات میں معاوضہ بھی ویسا ہی غیر معمولی ہونا چاہیے۔ عدالت عظمیٰ نے پچاس لاکھ کا معاوضہ منظور کیا۔ عدالت عظمیٰ نے اپنا یہ تاریخی فیصلہ ۲۳/اپریل کو سنایا۔ اسی کے ساتھ ساتھ گجرات گورنمنٹ کو حکم دیا کہ وہ بلقیس بانو کی پسند کے علاقے میں ایک مکان اور سرکاری نوکری فراہم کرے۔ یہ اس طرح کے کسی معاملہ میں سب سے بڑا معاوضہ ہے جس کی ادائیگی کا حکم عدالت عظمیٰ نے دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تاخیر سے ملنے والا انصاف دراصل انصاف نہیں ہوتا۔ بلقیس بانو کو انصاف کے حصول میں سترہ سال کی طویل اور بے حد تھکا دینے والی مدت ضرور لگی لیکن یہ انصاف سے محرومی نہیں ہے۔ یہ بلاشبہ ایک تاریخی لمحہ تھا۔ بلقیس بانو کی اس جدوجہد اور اس کے نتیجہ میں ملنے والی اس کامیابی نے نہ جانے کتنے مایوس اور ہمت ہار جانے والے لوگوں کے دلوں میں امید کا چراغ روشن کر دیا ہوگا۔

بلقیس بانو کوئی مالدار خاتون نہیں ہے۔ وہ ایک کمرے کے مکان میں اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ رہتی ہے اور بچوں کی تعلیم کا خرچ بمشکل پورا کرتی ہے۔ لیکن جس طرح مبدأ فیض کی طرف سے اسے ہمت اور حوصلہ کا وافر حصہ عطا ہوا ہے اسی طرح اس کو ایک دردمند دل بھی ملا ہے۔ اپنی کامیابی اور فتح مندی کے موقع پر اس نے ان لوگوں کو فراموش نہیں کیا جن کی زندگیوں کو ان فسادات نے اس طرح اجاڑ دیا کہ ابھی تک وہ اس کے تباہ کن اثرات سے باہر نہیں نکل سکے ہیں۔ فیصلہ کے اگلے دن صحافیوں سے بات چیت کرتے ہوئے جہاں اس نے اس فیصلہ پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا وہیں اس نے یہ بھی اعلان کیا کہ وہ اس رقم سے اس طرح کے ضرورت مندوں کی مدد کرنے کے لیے ایک فنڈ قائم کرے گی۔ یہ یقیناً ایک نہایت قابل تعریف فیصلہ ہے۔ اس نے بہت دکھ اٹھائے ہیں، ہماری دعا ہے کہ اب کسی دکھ کا سایہ بھی اس کے اوپر نہ پڑے۔

گذشتہ دنوں اکیڈمی نے دو اہم کتابیں شائع کی ہیں۔ دارالمصنّفین میں جب اسلامی تاریخ کی تدوین کا منصوبہ بنایا گیا تھا تو یوروپ میں اسلام کی سرگزشت لکھنے کا کام مولانا سید ریاست علی ندوی صاحب کے ذمہ کیا گیا تھا۔ مولانا نے پہلے صقلیہ کی تاریخ دو جلدں میں لکھی۔ اس کے بعد اندلس کی تاریخ پر کام کا آغاز کیا۔ پہلی جلد ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی۔ باقی تین جلدوں پر بھی کام مکمل ہو چکا تھا البتہ نظر ثانی سے پہلے وہ پٹنہ منتقل ہو گئے اور اس کام کی تکمیل کا موقع ان کو نہیں ملا۔ ۱۹۷۶ء میں انتقال سے پہلے جلد دوم کا مبیضہ انہوں نے اس تاکید کے ساتھ اپنے ورثا کے حوالہ کر دیا تھا کہ اسے دارالمصنّفین پہنچا دیا جائے۔ بدقسمتی سے یہ مبیضہ ضائع ہو گیا۔ ۲۰۱۷ء میں مولانا کے صاحبزادے جناب اشہد علی صاحب ایڈوکیٹ مرحوم کی عنایت سے جب مولانا کی باقیات کو دارالمصنّفین لانے کا موقع ملا تو اس میں تاریخ اندلس جلد سوم اور چہارم کا مسودہ تو تھا لیکن حسب توقع جلد دوم کا مسودہ نہیں تھا۔ خوش قسمتی سے کچھ کٹے پھٹے اور ناصاف صفحات ملے جن کو غور سے دیکھنے پر پتہ چلا کہ وہ جلد دوم سے متعلق تھے۔ جناب کلیم صفات اصلاحی صاحب، رفیق دارالمصنّفین کی محنت شاقہ سے ان کٹے پھٹے صفحات سے جلد دوم کا بیشتر مواد دستیاب ہو گیا۔ چنانچہ ضروری حواشی اور کسی قدر اضافہ کے بعد اس کو شائع کر دیا گیا۔ انشاءاللہ اگلی طباعت کے وقت مزید تفصیلات کا اضافہ کر دیا جائے گا۔ ہم کو بے حد خوشی ہے کہ ۷۰ سال بعد دوسری جلد کی اشاعت کی توفیق نصیب ہوئی۔ تیسری اور چوتھی جلدیں بھی انشاءاللہ جلد شائقین کی خدمت میں پیش کر دی جائیں گی۔

دوسری کتاب پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی کی تصنیف ''مطالعہ مذاہب کی اسلامی روایت'' ہے۔ دور حاضر کے مخصوص تناظر میں اس قسم کی ایک کتاب کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی۔ مسلمان علما اور محققین نے اس موضوع پر نہایت گراں قدر لٹریچر یادگار چھوڑا ہے۔ دور حاضر میں مسلمانوں کے سلسلہ میں جو بہت سے غلط تصورات رائج ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ دوسرے مذاہب کا مطالعہ نہیں کرتے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوگا کہ مسلمانوں کے یہاں اس کی ایک بہت درخشاں روایت رہی ہے۔ ہم بڑی خوشی سے ان دونوں کتابوں کو شائقین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

مقالات

معارف سیرت - ایک محاکمہ

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

(۲)

مستشرقین: ۱- مستشرقین کے خدمات عام کا معاملہ ہو یا خالص مؤلفین کتب سیرت کا، بیشتر مقالات معارف عربی مقالات کے اردو تراجم ہیں، عرب علماء ناقدین میں سے نذیر حمدان کے دو تین مقالات جیسے مستشرقین کے اعتراضات کی اشاعت/سیرت نبوی کے مباحث اور بحث و تحقیق کے عمومی مباحث اور مستشرقین کے نبوت اور وحی کے دلائل اور ہجرت کے بارے میں ان کا موقف مولانا ضیاء الدین اصلاحی کے تراجم ہیں اور موخر الذکر ع پ (عبدالرحمٰن پرواز) کے مخفف سے ایک دوسرے صاحبِ قلم کا۔ عماد الدین خلیل کا عام جائزہ سیرت نبوی اور دوسرا خاص مطالعہ مونٹگمری واٹ کی سیرت نگاری پر مقالہ محمد عمیر الصدیق ندوی کا ترجمہ ہے یا عبیداللہ کوٹی ندوی کا بالترتیب۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت طیبہ پر یورپین تصانیف پر محمد حمادہ کا عربی مقالہ محمود الحسن عارف کے ترجمہ کا کارنامہ ہے۔ ان تمام مقالات و تراجم میں تحریک استشراق کے تاریخی ادوار، سیرت و اسلام کے بارے میں ان کے متعصّبانہ رویے اور اس کے نتیجہ میں معاندانہ سیرت نگاری کا ذکر مختلف مباحث و اقتباسات کے ذریعہ کیا گیا ہے اور ان کے اعتراضات، غلط تعبیرات اور اغلاط کا جواب دیا گیا ہے یا صحیح واقعات و معاملات کی نشاندہی کی گئی ہے، وحی، الہام، تنزیل قرآن، رسالت محمدی، معجزات، معراج جیسے مباحث سیرت پر ان کے خاص مذہبی عقائد و تعصّبات کے پس منظر میں آتے ہیں اور ان کی تغلیط کی گئی ہے۔ ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تعلق سے امیت، رسالت و نبوت کی حیثیت اور شارع کی مرتبت کے علاوہ دعوت نبوی، عبادت نبوی اور کردار نبوی وغیرہ پر اعتراضات و شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔

پروفیسر، صدر، ڈائریکٹر (سابق) ادارہ علوم اسلامیہ و شاہ ولی اللہ دہلوی ریسرچ سیل، مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ۔

بحث و تحقیق میں روایات و احادیث کی غلط فہمی، تعبیر و تجزیہ کی تضاد بیانی اور علمی و تحقیقی بے راہ روی کی قلعی کھولی گئی ہے۔(معارف ۱۳۲/۲، ۶/ اگست، دسمبر ۱۹۸۳ء/۱۳۳/۱-۳ فروری، مارچ ۱۹۸۴ء/ ۱۳۴/ جون اگست ۱۹۸۴ نیز ۱۳۳/۱۳۴/۴-۵/ اکتوبر نومبر ۱۹۸۴ء)

ب: مونٹگمری واٹ کی کتب سیرت ثلاثہ میں ان مشکلات و دقتوں سے بحث کی گئی ہے جو صحیح مطالعہ و فہم سیرت کی راہ میں روڑے اٹکاتی ہیں۔استدلال، طرز تحقیق، روایات سیرت کے ردو قبول اور واقعات سیرت کے بیان میں ان کے تعصّبات کے علاوہ ان کی ابلہ فریبی، قیاس و تخیل کی دراندازی اور صحیح نقطہ نظر سے محرومی جیسے اسباب کو گنایا گیا ہے۔(معارف ۱۴۰/۲/۶: اگست-دسمبر ۱۹۸۷ء)

سید صباح الدین عبدالرحمن کا طبع زاد مقالہ واٹ کی اولین کتاب سیرت محمد ایٹ مکہ پر ایک نظر ڈالتا ہے اور ان کے مباحث و نکات میں شامل ہے کہ ان پر پیشرو رچرڈ بیل، بوہل اور گولڈزیہر وغیرہ کے افکار و خیالات مصادر اصلی کی حیثیت رکھتے ہیں۔عربی مصادر پر دسترس ضرور رکھتے ہیں لیکن صرف مفید مطلب روایات سے کام لیتے ہیں اور اس پس منظر میں باب در باب کتاب سیرت کے مباحث سے بحث کی گئی ہے اور جواب میں یا تصحیح واقعات و حوادث میں سیرۃ النبی شبلی و سلیمانی سے زیادہ اقتباسات دیے ہیں۔اس کی تیسری قسط نہیں چھپ سکی اور تجزیہ سید ادھورا رہ گیا۔(معارف ۱۳۳/۴-۵: اپریل-مئی ۱۹۸۴ء)

ان تمام مباحث و مقالات میں نقد ورد کا عنصر غالب ہے اور مستشرقین کے مثبت عطایائے سیرت نگاری و اصول تاریخ نگاری سے کلی اجتناب کیا گیا ہے۔تجزیہ و تحلیل اور مصادر حدیث و سیرت پر نئی معلومات و مباحث اور تحقیق و تصنیف کے بلند پایگی اور علمی معیار و عیار کا اعتراف ایمان و اسلام کے خلاف اور نقد و تبصرہ کے منافی سمجھا گیا اور کتب سیرت کے ایک عظیم الشان کتب خانہ یا خزینہ مستشرقین پر ایک کے سوا اور تمام کا قطعی مقاطعہ کیا گیا ہے اور ایک مقالہ بھی معارف میں بار نہیں پاسکا۔ڈاکٹر نثار احمد صاحب کا طبع زاد مقالہ یا سلسلہ مقالات طبع زاد اور زیادہ محقق و مفصل ہے لیکن وہ بھی اصلاً عرب اہل قلم کی کتب سے مستفاد و ماخوذ ہی ہے۔وہ تحریک استشراق کے ادوار سے بحث کرتا ہے اور ان کے خصائص یا طرز فکر استشراقی میں تبدیلیوں کی نشاندہی کرتا ہے۔عہد جدید کے مستشرقین میں سے متعدد کے ہاں اعتدال و انصاف پسندی، علمی و تحقیقی معیار کی درجہ بندی، استشراقی نقطہ نظر کی

پاسداری اوران کے مناہج وطرق سے بحث کرتا ہے۔آخر میں مباحث سیرت میں ان کے ہفوات و الزامات کو سامنے لاتا ہے جونام ونسب،نبوت و کار رسالت وغیرہ سے متعلق ہیں اور سیرت نبوی کی تاریخ کی روشنی اور جامعیت کبریٰ وغیرہ کی صفات منظر عام پر لاتا ہے۔بعض دوسرے مثبت مباحث بھی ہیں جیسے منفرد مقام نبوی، انسانیت کے محسن ومحترم، فاتح عظیم اور بانی تہذیب انسانی وغیرہ۔آخر میں مستشرقین کی ایک فہرست دی ہے جو ۴۷۵ افراد و اکابر پر مشتمل ہے۔ڈاکٹر موصوف کا مقالہ بلاشبہ بہت عمدہ ہے لیکن سیرت نگاری کے استشراقی طرز فکر ومنہج تحقیق اور عطیہ گراں قدر عطا کرنے سے قاصر ہے۔جدید طرز تحقیق استشراقی نے عصر حاضر کے عظیم ترین اردو سیرت نگار شبلی کو بھی راہ تحقیق و تجزیہ دکھائی تھی۔(معارف ۱۲۳/ ۱۳۴ جون۔اگست ۱۹۸۴/ ۱۳۴/ ۴-۵ اکتوبر۔نومبر ۱۹۸۴ء)

(ج) ہندو سیرت نگاری سے متعلق صرف دو مقالات معارف میں بار پاسکے: ایک ہندو مراٹھی ام وھی پردھان کی کتاب محمد پیغمبر پر ہے اور دوسرا بابو کنج لال دلوال کی کتاب حضرت محمد اور اسلام پر ہے۔ان دونوں کے مقالہ نگار بالترتیب انیس احمد چشتی اور حافظ نعیم ہیں۔دونوں مثبت سیرت نگاری کے نمونے ہیں۔اول الذکر مقالہ میں تمہید طولانی ہے جو مراٹھی کی لسانیات اور اردو عربی فارسی سے اخذ واستفادہ کی تاریخ وتفصیل بیان کرتی ہے پھر کتاب کے سترہ ابواب کی تفصیل ہے۔مصنف گرامی نے تعدد ازواج، ہجرت، اسلام کی پر امن تبلیغ واشاعت، عورت کے بلند مقام اور واقعہ افک وبت شکنی اور غزوات کی مدافعت کی ہے۔مقالہ نگار نے ان کے بعض تسامحات کو بھی پیش کر کے اصلاح کی ہے جن میں شامل ہیں: حضرت خدیجہؓ سے نکاح نبوی کو پریم وواہ قرار دینا یا اسلامی اصطلاحات میں سے بعض کا غلط املا۔کتاب کی بہرحال تعریف کی ہے کہ اس نے مراٹھی زبان میں ایک اہم درسی کتاب سیرت کا مقام حاصل کیا اور مدارس ومکاتیب وغیرہ میں شامل نصاب رہی ہے۔حافظ نعیم کا مقالہ صاحب کتاب کنج لال کو ایک منفرد سیرت نگار قرار دیتا ہے اور ان کی مختصر سوانح جو خاصی ناقص ہے بیان کرتا ہے۔یہ حقیقت بھی بتاتا ہے کہ وہ اصلاً ایک عید میلاد النبی میں بطور صدر تقریر تھی جو بعد میں کتابی شکل میں چھاپی گئی۔عام ہندو ذہنیت پر افسوس اور سیرت نبوی سے بے اعتنائی کے شکوے کے بعد صاحب مقالہ ان کی کتاب کے ابواب ومباحث میں معاشرتی اصلاحات نبوی اور اخلاق حسنہ محمدی کو تعریف و تحسین کے قابل گردانا اور اس طرح اعتراضات عام کی تغلیط وتصحیح کو بھی اہم سمجھا۔(معارف ۱۵۹/ ۴:

اپریل ۱۹۹۷ء/۱۸۹/۱: جنوری ۲۰۱۲ء)

(د) روایات جاہلی ۔ اسلامی: قبل بعثت کے زمانے میں ایک اہم ترین دینی روایت حنیفیت تھی اوراس کے علمبردار ہر زمانے میں ہر دور جاہلی میں رہے جو دین حنیفی/دین ابراہیم کی بقااور رواج کے حامی تھے اور رواجی دین عرب اور بت پرستی کے مخالف اوراس میں اصلاحات کے لیے کوشاں رہے۔ عام طور سے کتب سیرت میں قبل بعثت کے آخری دور میں مکہ کے چار احناف کا ذکر کیا جاتا ہے۔ محمد یٰسین مظہر صدیقی نے اپنے مقالہ ''جاہلی عہد میں حنیفیت'' میں اس دینی واصلاحی تحریک اوراس کے علمبرداروں کے تسلسل زمانی اور مساعی مشکور کا تجزیہ کرکے بتایا ہے کہ وہ قومی وملکی تحریک رہی اور اس کے اثرات بھی مشرکانہ اور رواجی دین میں اصلاح اور عربوں کی ذہنی وفکری اور عملی تطہیر کا کام کرتے رہے۔ شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ کی خاص فصل پر بھی بحث ہے۔ اس مقالہ پر ڈاکٹر معزز علی بیگ نے سماجی اور نفسیاتی اعتبار سے تحسینی مقالہ سپرد قلم کیااوراس عظیم دینی تحریک کی جہات کو مزید روشن کیا۔ وہ بھی معارف میں بھی شائع ہوا۔ اس سلسلہ میں مقالہ نگار مذکور کا دوسرا مضمون ''ملت حنیفیہ حواشی فتح الرحمن میں'' شائع ہوا جو حضرت شاہ کے ترجمہ وتفسیر قرآن سے اسے مزید مدلل کرتا ہے اور حضرت شاہ کا انقلابی تصور اور منفرد نظریہ پیش کرتا ہے کہ بعثت محمدی دراصل دین حنیفی کا احیاء تھی اور ملت ابراہیمی اسماعیلی کی توسیع وآفاقیت کی تکمیل۔ استدلال قرآنی کی یہ جہت بڑی اہم ہے۔ مقالہ نگار مذکور کا اسی سلسلہ ونوع کا تیسرا مقالہ مشہور حنیف کامل حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدوی کی حنیفیت کامل اوران کی خدمات واثرات کا ایک بھرپور جائزہ لیتا ہے مگر رسالہ معارف نے کسی وجہ سے اس کی باقی قسط نہیں چھاپی لہٰذا مضمون ادھورا رہ گیا۔ (معارف ۱۷۲/۴۔۵: اکتوبر نومبر ۲۰۰۳ء، ۱۷۳/۲: ۲۰۰۴ء/ ۱۷۳/۳: مارچ ۲۰۰۴ (مکتوب نقد)/۱۹۳/۵: مئی ۲۰۱۴ء)

سماجی روایات عرب میں مقالہ نگار محمد یٰسین مظہر صدیقی کا مقالہ ''عہد نبوی میں رضاعت'' قدیم جاہلی دور کے پس منظر وتاریخ سے عربوں کی اس سماجی سنت کے تواتر وتسلسل اوراس کی پرورش و پرداخت اور پاسداری سے بحث کرتا ہے اور رضاعت کے واقعات قبل بعثت، عہد نبوی اور بعد کے ادوار میں بھی پیش کرتا ہے۔ وہ رضاعت کے باب میں بعض اغلاط اور تسامحات کے علاوہ قدماء و معاصرین کے تحفظات وتعبیرات کی بھی اصلاح کرتا ہے۔ اہم ترین مرضعات نبوی حضرت ثویبہ و

حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی رضاعت نبوی کے ساتھ دوسرے جوانان قریش کی رضاعتوں کا تسلسل بتاتا ہے اور ان مرضعات کریمہ کی سماجی منزلت و افادیت سے بحث کرتا ہے۔ (معارف ۱۵۷/۶: جون ۱۹۹۶ء/ ۱۵۸ / ۱ جولائی ۱۹۹۶ء)

''حضرت ثویبہؓ ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی ماں'' مقالہ نگار مذکور کا ایک اور مقالہ، جو اب کتابچہ بن گیا ہے اور ایک کتاب کا اولین باب بھی، اسی نوع کا سماجی مطالعہ اور سیرت نبوی کا مبحث ہے۔ وہ مقالہ اس خیال ونظریہ کی تردید قطعی کرتا ہے کہ حضرت ثویبہؓ ابولہب کی باندی تھیں اور دلائل و شواہد سے ثابت کرتا ہے کہ موصوفہ ایک جلیل القدر اسلمی خاتون تھیں جو بطور مرضعہ قریش میں انتہائی محبوب ومکرم سمجھی جاتی تھیں اور ان کی نسبت مولاۃ دراصل رشتہ ولا سے ماخوذ تھی نہ کہ باندی وکنیز ہونے کے سبب۔ ان کے قبول اسلام کا بھی وہ تصدیق کرتا ہے اور سیرت نبوی میں ان کے کردار وحصہ کا ایک اہم گوشہ وجہت پیش کرتا ہے۔ اسی مقالہ میں حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی رضاعت کا بھی کافی بیان آیا ہے اور آخری مقالہ/قسط وضمیمہ میں حضرت ثویبہؓ کے نام نامی اور اس کی عظمت ومحبوبیت سے بحث کی گئی ہے۔ وہ جاہلی دور سے مدنی دور کے اواخر تک کے سماجی تعلقات نبوی کا ایک باب بن کر سامنے آتا ہے۔ (معارف ۱۸۰/ ۲-۳، ۵: اگست ستمبر اور نومبر ۲۰۰۷ء)

دوسری سماجی روایت حاضنہ/ اناگیری کی تھی۔ خاص سیرت نبوی کے حوالے سے آپ کی انا حضرت ام ایمنؓ کی خدمت حاضنہ کا ذکر کتب سیرت میں ہے۔ مگر وہ خاصہ تشنہ ملتا ہے۔ خاکسار راقم نے اس عظیم الجہات معاشرتی روایت کے لحاظ سے حضرت ام ایمنؓ پر ایک مفصل مقالہ پیش کیا جو ان کی طویل اور عظیم خدمات کا احاطہ کرتا ہے اور اس سماجی روایت اور معاشرتی جہت کی وضاحت کرتا ہے۔ اس کا سلسلہ اور حضرت ام ایمنؓ کی خدمت نبوی کا تواتر عہد جاہلی سے وفات نبوی تک نظر آتا ہے۔ یہ تو خانہ نبوی اور کاشانہ رسالت کا واقعہ ہے اور اس کے پرے حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی رضاعت نبوی میں ان کی دختر حضرت شیماؓ کی حضانت کا ذکر بھی ملتا ہے اور اس کا حوالہ اوپر کے مقالات معارف میں آچکا ہے۔ (معارف ۱۷۱/ ۲-۳: فروری - مارچ ۲۰۰۳ء)

سیرت نبوی: مباحث قبل بعثت: تاریخی توقیت کے اعتبار سے واقعات سوانح نبوی میں بعثت سے قبل ان تمام حوادث وامور کا ذکر آتا ہے جو عہد ابراہیمی۔ اسماعیلی سے لے کر نبوت محمدی کے

آغاز و اعلان تک مکہ مکرمہ اور عرب جاہلی میں پیش آتے رہے تھے۔ان میں خالص سوانحی واقعات و مسائل بھی شامل ہیں، خاندان قریش کے اجداد و اکابر کے احوال بھی، سماجی و دینی روایات مسلمہ بھی اور اقتصادی و تجارتی معاملات بھی، بہ نفس نفیس ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا محور و منبع ہے جس سے وہ اپنی تاریخی شناخت پاتے ہیں۔قبل بعثت نبوی کے احوال و ظروف اور واقعات و حوادث اور روایات وغیرہ سے متعلق متعدد مقالات و مضامین معارف دارالمصنّفین میں مسلسل چھاپے جاتے رہے ہیں۔ ان کا چند خاص انواع و اقسام کے تحت ایک مختصر محاکمہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔نسب و خاندان نبوی: مشہور مفسر قرآن کریم مولانا حمید الدین فراہی کا مقالہ نسب نامہ نبوی کے عنوان سے ایک مفصل مقالہ اولین برس کے دو شماروں میں شائع ہوا۔اس میں مقالہ نگار نے خاص نسب نبوی سے بحث کا آغاز کیا اور از فخر آدم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تا حضرت آدم علیہ السلام تک انچاس پیڑھیاں گنائیں اور مصادر نسب عربی سے تورات میں بیان کردہ روایات/سلسلوں کا تضاد دکھایا۔مقالہ میں عرب عاربہ، عرب مستعربہ، بنوجرہم سے بنو اسمٰعیل کا رشتہ، ان کی حجاز میں سکونت وغیرہ اور تعمیر کعبہ کے علاوہ حضرات ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے علاوہ دوسرے انبیاء کرام کے احوال کو سمیٹ لیا ہے اور قریبی اجداد میں قصی بن کلاب پر کافی بحث کی ہے۔وہ مقامات مکہ: منی، مروہ، منحر وغیرہ سے بھی بحث کرتے ہیں۔مقالہ میں مباحث کی ترتیب منتشر و پراگندہ ہے اور یہود و نصاریٰ اور تورات وغیرہ کی روایات کی تردید پر زیادہ زور ہے۔وہ بہر حال نسل ابراہیمی سے رشتہ نبوی کے تعلق کا کامل بیان بھی دیتا ہے۔(معارف ۱/۶۔۷ دسمبر ۱۹۱۶ء جنوری ۱۹۱۷ء)

نور محمدی اور حدیث جابرؓ از سید رضوان علی ندوی میں خاندان رسالت میں صلب آدم سے صلب عبداللہ تک نور محمدی کی منتقلی کی روایات بیان کی گئی ہے اور اس کا ایک ماخذ حضرت جابرؓ کی حدیث ہے۔مقالہ نگار نے اس پر بحث کرکے نقلی اور عقلی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے کہ وہ اولین تخلیق نور محمدی نہ تھی۔یہ بحث قابل غور ہے کہ دوسرے اس کی تاویل دیگر کرتے ہیں۔ (معارف ۱۶۰/جولائی ۱۹۹۷ء)۔

مولد نبوی: ایک عیسائی اہل علم نجیب آفندی نصار کا مقالہ اردو میں ترجمہ ہو کر چھاپا گیا ہے اور مکہ اور ولادت نبوی سے مختصر بحث کرتا ہے۔(معارف ۱۸/ ۵: نومبر ۱۹۲۶ء)

''بنوعبدمناف۔عظیم تر متحدہ خاندان رسالت'' خاکسار کا ایک طویل مقالہ قریش اور مکہ مکرمہ میں اس کے سماجی، دینی اور سیاسی اور قبائلی قوتوں سے بحث کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ اندرونی شخصی اور تجارتی مفادات کی وجہ سے اختلافات کے باوجود بنوعبدمناف ہمیشہ ایک متحدہ خاندان رہا اور اس کے چار بطون۔ بنوعبدشمس/ امیہ، بنوہاشم، بنونوفل، بنومطلب۔ دوسروں کے مقابل ایک متحد خاندان کی طرح قومی اور ملی اور خاندانی معاملات میں ساتھ دیتے رہے۔ ان میں قبائلی عصبیت نہ تھی بلکہ خاندانی اور شخصی یا اقتصادی و سیاسی مفادات کا ٹکراؤ تھا مگر مدیر معارف کا طنزیہ نوٹ عوامی فکر خام کا نمائندہ ہے کہ بنوہاشم اور بنوامیہ وغیرہ میں قبائلی عصبیت تھی اور وہ مقالہ نگار پر نظریات غیر/عوامی دباؤ کا الزام لگاتے ہیں۔ (معارف ۱۵۷/ ۲-۳: فروری۔مارچ ۱۹۹۶ء)

اصحاب الفیل کا واقعہ اور اس کی تاریخ مولانا ابوالجلال ندوی کا ایک محقق و مدلل مقالہ ہے جو سورہ فیل کی آیات کریمہ کے حوالے سے پورے واقعہ اور تاریخ ابرہہ/ یمن کا تجزیہ پیش کرتا ہے۔ سیرت نبوی میں اس واقعہ کی اہمیت اس مقالہ سے اور اجاگر ہوجاتی ہے اور مستند و مدلل بھی۔ اس مقالہ کی اہمیت دوامی ہے اور اس پر اضافات بہرحال کیے جاسکتے ہیں مگر مشکل سے۔ (معارف ۶۸/ ۴-۵: اکتوبر۔نومبر ۱۹۵۱ء)

کیا ولادت نبوی کے وقت آپ کے والد کی وفات ہوچکی تھی؟ کا جواب سید سلیمان نے اثبات میں دیا ہے اور وفات عبداللہ کی روایت مشہور کو بدء الاسلام کی روایت پر ترجیح دی ہے اور اپنے استاد شبلی کے اولین خیال سے اختلاف کیا ہے جو دو ماہ کی عمر نبوی میں وفات والد کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ سید موصوف نے اردو ترجمہ بدء الاسلام کا اختلافی نوٹ/ حاشیہ نہیں دیکھا۔ (معارف ۵۹/ ۲: فروری ۱۹۴۷ء)

اخلاق نبوی کا ایک واقعہ ایک آفاقی / بدوی اراشی تاجر کے سامان کی قیمت ابوجہل مخزومی سے وصولیابی کے واقعہ کو تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ مقالہ نگار حبیب ریحان ندوی نے حسب روایات علماء اس میں بہت سے معاملات متعلقہ وغیر متعلقہ کو شامل کر کے اس کو درس عبرت بنادیا ہے۔ (معارف ۱۵۳/ ۵: مئی ۱۹۹۴ء)

حج کے قدیم مراسم اور حج نبوی قبل ہجرت کے جواب نما مقالچہ میں مبصر گرامی نے رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبل ہجرت تین حج کرنے کی روایتِ ترمذی نقل کی ہے کہ دو قبل بعثت کیے تھے اور ایک بعد نبوت۔ حج کے قدیم مراسم پر بحث مختصر اور بطور ضمیمہ ہے۔ مبصر گرامی نے رسولی/نبوی حجوں کی تعداد کی تصریح نہ ملنے کے باعث بحث نہیں کی لیکن حج کی فرضیت اور اس کی تاریخ کے اختلاف سے ضرور کی ہے اور حج میں مشرکانہ رسوم و مراسم کی اصلاح نبوی کا ذکر خیر کیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ یہ اصلاح نبوی مکی دور سے شروع ہوئی یا سراسر مدنی تھی۔ (معارف ۶۰/۶: دسمبر ۱۹۴۷ء)

(س) سیرت نبوی: مکی عہد نبوی: بعثت نبوت محمدی سے سیرت نبوی کا اصل دور مکی شروع ہوتا ہے جو تیرہ برسوں تک ۶۱۰-۶۲۲ء جاری رہتا ہے۔ اس کے واقعات تو بہت ہیں لیکن ان میں سے صرف چند ہی پر مقالات معارف میں چھاپے گئے۔ ان میں شامل ہیں:

''دوشنبہ ۱۲/ربیع الاول-حیات نبوی کا انقلاب آخریں مرحلہ'' جو محمد یٰسین مظہر صدیقی کا مقالہ ہے۔ اس میں بیشتر قدیم و معتبر سیرت نگاروں کے اس خیال و بیان کو مدلل کیا گیا کہ ۱۲/ربیع الاول نہ صرف ولادت نبوی کی صحیح ترین تاریخ ہے بلکہ وہ بعثت، معراج، ہجرت اور وفات وغیرہ متعدد اہم ترین مراحل نبوی حیات کی بھی تاریخ ہے اور ان ہی اسباب سے وہ حیات نبوی میں متعدد سنن کا دن بننے کا بھی شرف رکھتی ہے۔ مصادر حدیث و سیرت سے اسے مدلل و مستند کیا گیا ہے مگر مدیر معارف اس سے متفق نہیں لہٰذا اس پر ایک طنزیہ و تعریضی نوٹ لکھا اور صرف اس لیے اختلاف فرمایا کہ وہ ان کے شیخ المشائخ و قدوہ دارالمصنّفین کے نظریہ و بحث کے خلاف ہے۔ سیرت نگاروں میں سے متعدد کے علاوہ فیروز الدین احمد فریدی نے بھی اپنے مقالہ رسول کریم کی تاریخ وفات میں اسی کی تائید کی ہے اور جو بعد میں اپنے مقام پر زیر بحث آتا ہے۔ (معارف ۱۷۷/۴: اپریل ۲۰۰۶ء)

دوسرے واقعات مکہ اور سوانح نبوی پر مقالات اہل علم معارف میں بار نہیں پا سکے۔ البتہ کار نبوت و رسالت کے باب میں کافی قیمتی مقالات شائع کیے گیے۔ ان میں ایک وسیع تر عنوان بحث منصب نبوت پر مقالات کا بنتا ہے جو نظری و فکری بھی ہے اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام و مرتبہ رسالت سے متعلق بھی۔

(ش) مبشرات نبوت: اس عظیم الجہات عنوان کے تحت متعدد مقالات معارف میں شائع ہوتے رہے ہیں جن کو ان کے ضمنی مباحث یا ذیلی عناوین کے تحت بانٹا جا سکتا ہے۔ مبشرات کے تحت

مقالات ہیں:

۱۔تورات وانجیل کی دو بشارتیں جن کے مصداق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں از حبیب ریحان ندوی۔ (معارف ۱۵۹/۲۔۳ فروری مارچ ۱۹۹۷ء)

۲۔''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانیت کے معالج ۔بائبل کی دو بشارتوں کی روشنی میں'' جو مقالہ نگار کا دوسرا مقالہ ہے یا اول الذکر کی دوسری قسط۔

۳۔''محمد اور عیسیٰ علیہ السلام'' از اے.جی ٹمبی/ سید نجیب اشرف۔(معارف ۱۱/۱: جنوری ۱۹۲۳ء)

ان تینوں مقالات میں مرکزی نکتہ یہ ہے کہ تورات وانجیل کی دونوں بشارتوں کے مصداق صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور اسلام ہی نسخہ شفا ہے۔قرآن وحدیث سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔دوسرے مباحث ودلائل کافی مفصل اور تعبیرات وتشریحات بہت مدلل آئی ہیں۔دونوں انبیائے کرام کے درمیان احوال وظروف کو کامیابی اور ناکامی کا ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔

(ص)منصب نبوت: ۱۔اسی عنوان سے مقالہ سید سلیمان ندوی ہے جو سیرۃ النبی جلد چہارم کا مقدمہ ہے۔(معارف ۲۶/۲: اگست ۱۹۴۰ء)

۲۔نبوت کی ایک اور حقیقت از عبدالسلام ندوی۔(معارف ۱۲/۶: دسمبر ۱۹۲۳ء)

۳۔وحی اور ملکہ نبوت از سید سلیمان ندوی جو سیرۃ النبی چہارم سے ماخوذ ہے۔(معارف ۲۸/۱: جولائی ۱۹۳۱ء)

۴۔رسالت از ضیاءالدین اصلاحی۔(معارف ۱۷۲/۶: دسمبر ۲۰۰۳ء)

۵۔ختم رسالت (ریاست علی ندوی)۔(معارف ۵۶/۱: جولائی ۱۹۴۵ء)

۶۔ختم نبوت کے بعد مدعیان نبوت از سید علیم اشرف جائسی۔(معارف ۱۶۰/۲: اگست ۱۹۹۷ء)

۷۔ادارہ نبوت کی تکمیل اور اس کی ثقافتی قدر و قیمت از طارق مجاہد جہلمی۔(معارف ۱۷۸/۴: اکتوبر ۲۰۰۶ء)

(ط)اجتہاد نبوی: ۱۔شعور نبوت اور شعور اجتہاد کی ضرورت از محمد تقی امینی۔(معارف ۱۱۹/۳: مارچ ۱۹۷۷ء)

۲۔اجتہادات نبویہ از عبدالسلام ندوی۔(معارف ۱۵/۴: اپریل ۱۹۲۵ء)

۳۔اجتہاد نبوی اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی از محمد یٰسین مظہر صدیقی۔(معارف ۱۷۸/ ۳: ستمبر ۲۰۰۶ء)

۴۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علم غیب/ سنۃ اللہ کا مفہوم ''س''(سید سلیمان ندوی)۔(معارف ۵۴/ :اگست ۱۹۴۴ء)

نبوت اور ملکہ نبوت کو ان مقالات میں وہبی ثابت کیا گیا ہے اور ملکہ اکتسابی کی نفی کی گئی ہے۔ سید موصوف نے منصب نبوت کا اصل کام سرتاپا روحانی و اخلاقی انقلاب پیدا کرنا اور کامل ترین اور آخری شریعت پیش کرنا بتایا ہے۔ وہ حکیم و مصلح اور پیغمبر کے منصب و کار منصبی کا فرق ظاہر کرتا ہے۔ نبوت کی ایک اور حقیقت اصلاً وحی الٰہی اور اس کی اقسام سے بحث کرتی اور قرآن کو کلام الٰہی ثابت کرتی ہے۔ نبوت پر سرفرازی ہی ملکہ نبوت ہے اور یہی بنیادی نکتہ عبدالسلام ندوی سید موصوف کے اگلے مقالہ کا نقطہ بحث ہے۔ اس میں اجتہاد نبوت سے بھی بحث ہے۔ مولانا اصلاحی کا مقالہ مولانا فراہی کے رسالہ عقائد کا مبحث پیش کرتا ہے۔ ضرورت و حکمت نبوت، انبیاء کرام کی خصوصیات، اصل کار نبوت، عدل الٰہی کا نفاذ اور اصلاح امت وغیرہ مباحث ہیں، ختم رسالت میں نبوت و رسالت کے تلازم اور ختم نبوت سے ختم رسالت کا فیصلہ منطقی ہے۔ آیات و احادیث کے علاوہ لفظی دلائل و شواہد بھی ہیں۔

ادارہ نبوت کی تکمیل اصلاً علامہ اقبال کے خطبات کے ایک خطبہ ادارہ ختم نبوت میں اسلامی ثقافت کی روح کا لب لباب اور مباحث پیش کیے ہیں۔ ختم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت معراج کمال کو پہونچنے کے باعث ختم نبوت کا باعث بنی اور اس نے انسانی ذہن کے بلوغ، حریت فکر اور ذہن کی بلندی پیدا کی اور اس کے باعث ثقافت کمال کو جا پہونچی جس نے علوم و فنون اور تمدن انسانی کے لامحدود امکانات پیدا کردیے۔ ختم نبوت کے بعد مدعیان نبوت کا ظہور ترقی معکوس تھی جو ایک عرب صاحب قلم کے مقالہ کا اردو روپ ہے اور آیات کریمہ، احادیث نبوی اور عقلی دلائل سے ختم نبوت کی حقیقت مدلل کر کے عہد نبوی کے مدعیان نبوت کی فساد انگیزی کو واضح کیا ہے۔

ملکہ نبوت کو اجتہاد نبوی کا باعث و مدار مقالات منصب نبوت میں بنایا جاتا رہا اور اسی سے ماخوذ سمجھا جاتا رہا۔ خاص اجتہاد نبویہ میں بھی ملکہ و شعور نبوت اور فیضان وحی وغیرہ کا عنصر موجود ہوتا ہے مگر منکرین حدیث کا ایک طبقہ احادیث نبوی کو وحی پر مبنی نہیں سمجھتا اور انھیں اجتہادات شخصی کا درجہ دیتا

ہے، وہ اجتہادات شخصی جن میں صواب وخطا کا برابر احتمال رہتا ہے۔ مولانا عبدالسلام ندوی کے مقالہ میں اس کی تردید ہے اور احادیث کو حجۃ اللہ البالغہ کے حوالے سے استنباط شرائع کا ایک مبحث و ماخذ تسلیم کیا ہے۔ خاکسار راقم کے مقالہ میں حضرت شاہ کے دوسرے مباحث سے اسی فکر وبصیرت کو کلامی و دینی دلائل سے مدلل کیا گیا ہے۔ اشاعرہ ومعتزلہ کے اختلاف، حدیث واجتہاد کے فرق، اجتہاد نبوی کے حدود ودائرے، اس کی حقیقت اور شریعت میں اس کی حیثیت وغیرہ پر مبنی مقالہ نکتہ آخر یہ پیش کرتا ہے کہ اجتہاد نبوی بالآخر حدیث ووحی بن جاتا جو تعقل وتدبر کے ساتھ ملکہ نبوت سے بھی مستنیر ہوتا۔ صرف شخصی و دنیاوی امور میں صراحت مل جاتی۔ شعور نبوت اور شعور اجتہاد کے مابین ارتباط جوہری ومعنوی اس مقالہ امینی کی نکتہ بحث ہے اور بہت سے دوسرے ذیلی وضمنی مباحث سے تعرض کرتا ہے اگرچہ علم غیب اور سنتہ اللہ کے عنوان میں اظہار خاص ملتا ہے مگر وہ سیرۃ النبی کی ایک عبارت پر وضاحت طلبی کا استفسار ہے اور اس کا جواب علم غیب سے زیادہ معجزات کے وقوع اور اس کے خاص اسباب وقوانین تکوینی کا بیان ہے اور اس باعث معجزات کا انکار ناممکن ہے۔ معجزات کا قانون دوسرا علم الٰہی اور معاملہ غیبی ہے۔

(ظ) معجزات نبوی کے موضوع پر چند مقالات مفصل ومدلل ہیں اور بعض جوابات استفسار اور توضیحات کی قسم سے اور ایک آدھ نظری واصولی ہیں:

معجزات اور اسباب خفیہ کے عنوان سے مولانا عبدالسلام ندوی کا ایک بسیط مقالہ نظری و فکری مباحث پیش کرتا ہے۔ معجزات کی ماہیت، نوعیت، اسباب وعوامل تکوینی کے بارے میں اسلامی مکاتب فکر معتزلہ، اشاعرہ اور ان کے علماء ومفکرین کے آراو نظریات سے مفصل بحث کرتا ہے۔ ان کے صدور وعدم صدور کے علاوہ انبیاء کے معجزات کا سبب ان کی روحانی طاقت بتائی گئی ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی کی حجۃ اللہ البالغہ سے اسے مدلل کیا ہے۔ شاہ صاحب کے علاوہ امامان ابن تیمیہؒ ابن قیم وغیرہ کے حوالے بھی ہیں لیکن مدار حجۃ اور تفہیمات الٰہیہ پر ہے۔ اسباب میں تکوینی اور خارجی دونوں ہوتے ہیں۔ (معارف ۱۱/ ۵ مئی ۱۹۲۳ء)

معجزات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محمد طٰہٰ اشرف قادری کا مقالہ اصلاً مولانا اسلم جیراجپوری کے نقد سیرۃ النبی پر استدراک ہے اور نقد شخصی کی مثال ہے۔ معجزات کے قائلین کے دلائل وبراہین کی تردید کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ معجزات نبوی حسی ومادی ہوتے ہیں۔ مضمون کا انداز خالص مناظرانہ

ہے۔(معارف ۳۳/۱: جنوری ۱۹۳۴)

شق القمر کا ذکر قرآن مجید میں معارف میں استفسار کے جواب میں ان کا جواب ہے۔شق القمر کا مقصود ثبوت قیامت پر دلالت ہے۔کفار کے مطالبہ پر آپ نے شق القمر کا معجزہ حسی طور سے دکھایا۔ وہ اصلاً رہا ہو یا محض نگاہ ناظرین پر تصرف الٰہی کی کاریگری کا،قمر دو ٹکڑوں میں منقسم نظر آیا اور حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔حدیث لولاک ماخلقت الافلاک کو معناً صحیح اور سنداً موضوع بتایا ہے اور حضرت خضر کے علم لدنی کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور وہ ان کے ذی علم ہونے کو بتاتا ہے۔ملاقات کا ذکر بخاری میں ہے۔(معارف ۵۸/ ۵: نومبر ۱۹۴۶ء)

معراج منامی یا جسمانی سید سلیمان ندوی کا سیرۃ النبی کی بحث معجزات میں جوابِ استفسار ہے اور دونوں نوعیتوں کے قائلین کا ذکر کر کے سید صاحب نے اسے جسمانی تسلیم کیا ہے اور جمہور کے عقیدے وخیال سے اتفاق کیا ہے۔(معارف ۵۲/۱ جولائی ۱۹۴۳ء)

تصور معراج اور تفسیری مغالطے حیات عامر حسینی کا مقالہ نظری وفلسفیانہ بحث علامہ اقبال کے مقالہ وخیال کے تناظر میں پیش کرتا ہے۔اس میں تفسیری مغالطوں کا حوالہ برائے نام بھی نہیں ہے۔ پوری بحث خیال وتفسیر علامہ کے اردگرد گھومتی ہے۔البتہ سورہ اسراء ونجم کی آیات کریمہ کے کلیدی کلمات والفاظ سے بحث خوب ہے اور شیخ جیلانی اور علامہ اقبال وغیرہ کے ارشادات وتعبیرات سے اس کو جسمانی قرار دیا ہے اور سرسید کے نظریات سے بھی تعرض کیا ہے۔(معارف ۱۹۹۸ء/۳: ستمبر ۲۰۱۶ء)

(ع) عصمت وحفاظت نبوی: ۱۔بعثت سے قبل عصمت نبوی از محمد یٰسین مظہر صدیقی۔(معارف ۱۸۴/ ۵: نومبر ۲۰۰۹ء)

۲۔قبل بعثت اعمال وسنن کی دینی حیثیت از محمد یٰسین مظہر صدیقی۔(معارف ۱۸۳/ ۶: جون ۲۰۰۹ء)

بعثت ونبوت سے قبل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ اصطلاحی عصمت نبوی حاصل نہ تھی جو بعد نبوت خطا وغلطی سے قطعی حفاظت اور معصومیت حتمی کی ضامن بنی لیکن مصادر سیرت وحدیث کے مطابق ایک خاص حفاظت الٰہی اور توفیق ربانی کا تکوینی نظام اس درجہ کا چالیس سالہ دور قبل بعثت میں بھی کارفرما رہا اور آپ کو خطا سے بچاتا اور صواب کی رہنمائی کرتا رہا۔اس کے مختلف مظاہر واقسام

نے عصمت نبوی کا کام کیا اور اسی وجہ سے قبل بعثت کے اعمال و سنن محمدی کو دینی حیثیت حاصل ہوگئی اور بعد نبوت ان کی تصدیق و تصویب نے ان کی شرعی/تشریعی منزلت بھی ثابت کردی۔ امام بخاری نے بطور خاص ایسے اعمال قبل بعثت کی دینی منزلت ثابت کی اور شاہ دہلوی نے متعدد سنن حنیفی کی سنن اسلامی کی مرتبت پر کلام کیا اور ان کا اثبات کیا۔

شریعت اسلامی محمدی: ۱۔شریعت اسلامی محمدی کا آغاز وارتقا از محمد یٰسین مظہر صدیقی۔(معارف ۱۷۹/۴: اپریل ۲۰۰۷)

۲۔شریعت اسلامی کا نزول مکہ میں نہیں مدینہ میں ہوا تھا از غلام نبی کشافی۔(معارف ۱۸۰/ ۴: اکتوبر ۲۰۰۷ء)

اول مقالہ نگار نے امام شاطبی، ابن کثیر، شاہ دہلوی اور دوسرے متقدمین و محققین کے حوالے سے اور بطور خاص آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے ثابت کیا کہ اسلامی محمدی شریعت اولین روز رسالت سے شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ ترقی کرتی رہی اور مکی دور کے اختتام تک وہ پوری طرح منزل و نافذ ہوچکی تھی، مدنی دور میں اس پر ضروری اضافات و تکمیلات ہوتے رہے اور جوہری تشریعی اضافہ کوئی نہیں ہوا۔ وہ عقائد وارکان، شرائع وقوانین، حرام وحلال اور متعدد دوسرے ابواب سے بحث کرتا ہے جہاد اسلامی اور دوسرے قوانین وشرائع محمدی اور ان کے تلازمات کو وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں شامل اور اسی کی توسیع قرار دیتا ہے۔ مقالہ اب کتاب بن چکا ہے۔(مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقاء، فرید بک ڈپو، نئی دہلی ۲۰۰۶ء) ناقد کشافی نے عام علماء اور روایتی مورخین وفقہاء کے نقطہ نظر کی ترجمانی کی ہے اور صرف نظریاتی بحث کی ہے یا غلط الخواص کی ترجمانی۔ وہ شریعت ودین کا فرق کرنے کے سبب ہے یا عام ووسیع خیال خام کی بنا پر کہ شریعت اسلامی مدینہ میں آئی تھی اور مکی دور میں صرف اخلاقیات کی تعلیم دی گئی تھی۔

(ف) دعوت اسلامی: تبلیغ ودعوت کا اصل کار رسالت ونبوت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی دور میں اول روز سے شروع کیا اور اس کے اختتام تک پورے عرب وعجم کے قرب وجوار کے علاقوں تک پھیلا دیا۔ وہ مکی دور کا اصل کارنامہ تھا جس نے مدنی دور میں بال و پر نکالے اور دعوت وتبلیغ کے نئے اور زیادہ منظم اسالیب وطریقے اختیار کیے۔ مکی دور دعوت نبوی سے متعلق دو چار مقالات معارف میں

شائع ہوئے۔

محمد عباس ہمایوں شمس نے دعوت نبوی کے رد عمل میں مشرکین کے اعتراضات کا جائزہ لیا۔ تمہیدی کلمات اور طبقات معترضین کے بعد قرآن مجید اور مصادر سیرت وحدیث سے آپ پر کاہن، شاعر اور مجنون کے الزامات، بشریت منافی رسالت کے خیالات اور معجزات کے مطالبات سے بحث کی ہے اور آیات قرآنی کے تراجم وتفاسیر میں عہد جدید کے علماء ومترجمین کے نتائج وتفسیرات نقل کر کے ان کے تمام اعتراضات کا جواب فراہم کیا ہے جو کار علماء اب بھی ہے۔ (معارف ۱۸۳/۱: جنوری ۲۰۰۹ء)

دعوت نبوی پر قریشی اکابر کے رد عمل عنوان والے مقالہ خاکسار میں تین قسم کے اکابر اور ان کے رد عمل کی نشان دہی کی گئی ہے اور دعوت نبوی کے طرق اور تاثیر ونفوذ کو اجاگر کیا گیا ہے۔ معاندین و مخالفین کے علاوہ صرف زبانی طنز وتعریض والوں، معمولی جسمانی تکلیف دینے والوں کے ساتھ ساتھ معتدل وصلح جو طبقہ اکابر کا رد عمل بھی بیان کیا گیا ہے اور ان خاص اکابر کے رد عمل سے بحث کی گئی ہے جو ہمدرد اور ساکت موید تھے اور بعض بعض علی الاعلان آپ کی مخالفت سے باز رکھنے کی کوشش کرتے رہے۔ دعوت نبوی کی ترقی ورد عمل کی گونا گونی اس سے ظاہر ہوتی ہے۔ مقالہ نگار مذکور کا دوسرا مقالہ عہد نبوی میں مختلف مذاہب کے پیروکاروں سے تعلقات کا ایک حصہ مکی سرزمین کے عوام وخواص سے متعلق اور دعوت کے لیے خاص ہے۔ وہ مشرکین مکہ وعرب کے معاملہ ہے۔ بعض عیسائی اور یہودی افراد کے علاوہ اکثر مذاہب رواجی یہودیت، نصرانیت، مجوسیت وغیرہ سے تعلقات مدنی دور کے زمانے میں استوار کیے گیے۔ ان میں مدینہ کے یہود ونصاریٰ بالخصوص شامل تھے۔ دوسرے ممالک کے دینی ومذہبی طبقات وممالک ایران وروم وحبشہ وعراق وغیرہ تھے۔ (معارف ۱۹۳/۲۔۳: فروری مارچ: ۲۰۱۴ء؛ ۱۸۷/۴: اپریل ۲۰۱۱ء)

دعوت نبوی کے ابلاغی طریقہ کار نبوی اور عصر حاضر میں اس کی معنویت پر ڈاکٹر فضل احمد کا مقالہ آیات وسور قرآنی کے نزول اور دعوت نبوی کے طریقہ سے بحث کرتا ہے اور اصول ابلاغ کا استنباط کرتا ہے کہ دعوت عام ہو، رنگ ونسل وعلاقہ کا امتیاز نہ ہو، تحمل بردباری ہو اور شریعت کا نفاذ رفتہ رفتہ ہو اور حالات وظروف کے مطابق کام کیا جائے۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط قیصر روم کے نام'' مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا مقالہ تحقیق وعلم

ہے جو ''آغاز اسلام'' سے شام و روم اور عرب کے تعلقات کا تمہیدی ذکر کر کے ہرقل کے نام دعوتی مکتوب نبوی کے ارسال واثرات سے بحث کرتا ہے اور اس کی سفارت دحیہ کلبیؓ کے واقعہ کی تفصیل کے علاوہ کائتانی اور بوبل/ بوبال وغیرہ مستشرقین کے شبہات کا ازالہ بھی کرتا ہے۔

معارف دارالمصنّفین میں ڈاکٹر حمیداللہ کے مقالات وغیرہ پر مبنی ایک مفصل مقالہ حافظ محمد سجاد نے فکر ونظر اسلام آباد کے لیے لکھا تھا جسے معارف نے افادہ عام کے لیے چھاپا۔ اس میں ڈاکٹر موصوف نے دوسرے مقالات واستدراکات کے علاوہ عربی حبشی تعلقات، سیاسی مکتوبات میں سے چھ اصلیلیں نامی کتاب پر تبصرہ بھی اسی نوع سے متعلق کیا ہے (معارف ۳۵/۶: جون ۱۹۳۵ء)۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطوط امراء وسلاطین کے نام سے عبداللطیف کانو کے مقالہ کا اردو روپ فیضان اللہ فاروقی نے معارف میں چھاپا جو بحرین کے رسالہ الوثیقہ میں عربی میں چھپا تھا۔ اس مقالہ میں بیشتر دعوتی مراسلات نبوی شامل ہیں خواہ اندرون ملک کے سلاطین کے نام ہوں یا بیرون ملک کے فرمانرواؤں کے نام، سفراء نبوی کے سوانح اور سفارتوں کی تفصیل کے علاوہ نئے نکات، مراسلات کی کتابت میں مواد خام اور رسم الخط کی نوعیت اور رسائل نبویہ کے ۲۳ کاتبین جلیل اور تمام مراسلات کے متون کی تفصیل دی گئی ہے۔ (معارف ۱۳۹/۴-۵: اپریل مئی ۱۹۸۷ء)

بیرون ملک کے اقوام وطبقات سے تعلقات کے باب میں قاضی اطہر مبارکپوری کا مقالہ پیغمبر اسلام اور ہندوستان کے باشندوں اور برصغیر سے عرب اسلامی نبوی روابط کا مفصل تجزیہ کرتا ہے۔ بہت سے مصادر سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل ہند سے واقفیت، ہبوط آدم سے عہد رسالت تک کے بعض واقعات، معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صورت اور خدوخال سے جاٹوں (الزط) کی مشابہت، اہل یمن ونجران سے اہل ہند کی مشابہت، تاجران ہند اور ان کی تجارتی اشیاء، عرب میں اہل ہند کی سکونت اور عرب ہند تجارتی روابط کی وجہ سے اہل ہند کی رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واقفیت وغیرہ کے مباحث ہیں اور ایک ہندی راجہ کے سفر مدینہ/عرب راجہ قنوج اور رتن نامی شخص کی حقیقت اور طب نبوی سے مفصل بحث کی ہے۔ افسانوی روایات پر نقد کے باوجود تعمیم اور افسانہ طرازی کا عنصر اس میں ہے۔ حضرت موسیٰ کی مشابہت قبیلہ سدوس کے ''رجال'' جاٹوں سے قابل بحث ونقد ہے۔ (معارف ۹۳/۲: فروری ۱۹۶۴ء)

دعوت و تبلیغ اور مراسلات و روابط سے متعلق ایک استفسار کا جوابِ معارف ہے کہ بیشتر وفود عرب کی حاضری فتح مکہ کے بعد ہوئی اور چند وفود قبائل جیسے اشجع، مزینہ، جہینہ، اشعر وغیرہ فتح مکہ سے قبل آئے تھے۔ ان کی مصادر سے سنہ وار تعیین کی ہے۔ ابن سعد و زرقانی اہم ترین مآخذ ہیں۔ مختصر مقالہ ہے مگر قابل قدر۔ (معارف ۱۵۹/۱: جنوری ۱۹۴۷ء)

(ق) غزوات نبوی: اصلاً اسی دعوت نبوی کے سلسلے اور ذرائع اور طریقے تھے مگر ان کی اصل حیثیت پر کم توجہ دی گئی۔ ان کے حوالے سے چند مقالات معارف میں اشاعت پذیر ہوئے اور وہ اپنے غزوات کے بعض مسائل و جوانب سے متعلق ہیں جیسے غزوہ بدر میں صحابہ کرام کے مشورہ پر نقد و نظر میں مقالہ نگار محمد یٰسین مظہر صدیقی نے بدلائل نقلی و عقلی یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ حضرت مقداد بن عمرو خزاعیؓ کا مشورہ کہ ''ہم بنی اسرائیل کی مانند نہیں اور آپ کے ساتھ ساری دنیا سے جنگ کریں گے'' میں اس تاریخی تلمیح کا ماخذ تورات سے واقفیت تھی یا احبار یہود سے اس کی سماعت کہ قرآن مجید میں یہی بات بعد کے سنہ میں سورہ مائدہ میں اتری تھی۔ مشورہ صحابی کے ساتھ آیت مذکورہ کا استدلال مصادر کا عام وطیرہ ہے۔ (معارف ۱۸۵/۴: اپریل ۲۰۱۰ء)

بدری صحابہ کو تعزیرات سے مستثنیٰ قرار دینے کا استفسار حضرت حاطب بن ابی بلتعہ لخمیؓ بدری کے اس خط کے حوالے سے کیا گیا ہے جو فتح مکہ سے قبل بعض اکابر قریش کو لکھا گیا تھا۔ اسے معارف کے مبصر نے صحابی جلیل کی اجتہادی غلطی بتایا ہے جو قابل معافی ہے مگر وہ صحیح نہیں کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے عذر کو صحیح تسلیم کیا تھا لہٰذا سیاسی و اجتہادی خطا نہ تھی۔ دوسرا استفسار غزوہ تبوک میں تین صحابہ کے تخلف کے بارے میں تھا جن کی اطاعت نبوی سے انحراف کی وجہ سے سزا دی گئی تھی۔ بحثِ مبصر احکام القرآن و فتح الباری سے ہے۔ (معارف)

غزوہ احد میں حضرت عمرؓ کی ثبات قدمی سے متعلق ایک سائل کے جواب میں معارف نے وضاحت کی ہے کہ بلاذری کی روایت میں ان کی عدم ثبات قدمی کی بات صحیح نہیں اور دوسرے تمام مصادر حدیث و سیرت و تاریخ سے ان کا ثبات و صبر اور استقلال واضح ہے۔ اس میں حضرت عمرؓ اور ابوسفیانؓ کے مکالمہ کا بھی حوالہ ہے۔ جواب ریاست علی ندوی کا ہے۔ (معارف ۵۶/۵: نومبر ۱۹۴۵ء)

غزوات نبوی اور فلسفہ جنگ سید نواب علی کا مقالہ ہے بلکہ قسط اول، وہ فلسفہ پر زیادہ بحث

کرتا ہے اور بھگوت گیتا، حکمائے یونان، علماء یہود ونصاریٰ کے افکار کو سامنے لاتا ہے اور انبیائے بنی اسرائیل کے فکر وفلسفہ اور عمل کو بھی خاص کر مسیحی اصول میں بسا اوقات جنگ جائز ہونے سے بحث کرتا ہے مگر غزوات نبوی تک آتے آتے وہ تمہید میں ہی رہ جاتا ہے۔ مکی ومدنی زندگی کا فرق، عہد مدنی و مسائل اور یہود قبائل، عرب طبقات اور منافقین کے طریقوں سے ہی بحث کرتا ہے اور باقی بحث و تمحیص معارف میں نہ شائع ہوسکی۔ (معارف ۲۰/۱: جولائی ۱۹۲۷ء)

غزوات میں صحابہ کرام کے جہاد وقتال اور قربانی اور سیرت صحابہ کے حوالے سے بعض مقالات معارف میں اور بھی شائع کیے جیسے:

سید الشہداء اسد اللہ حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب پر ایک تحقیقی نظر کے عنوان سے اپنے مقالہ میں راہی فدائی نے صحابی جلیل کے سوانح واولاد، اسلام وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد غزوہ احد میں ان کی شہادت کی روایات سے مفصل بحث کی ہے اور نتیجہ نکالا ہے کہ زوجہ ابوسفیان ہندؓ بنت عتبہ کے ایما پر ان کا قتل حضرت وحشیؓ نے کیا تھا اور نہ مثلہ کیا تھا اور نہ ان کی جگر خوری کی داستان صحیح ہے۔ حضرت وحشیؓ اور قتل وشہادت حمزہؓ پر بحث کے علاوہ باپ دادا کے غلام والے کلمہ حمزہؓ کا مفہوم بھی واضح کیا ہے۔ (معارف ۱۹۷/۲: فروری ۲۰۱۶ء)

واقعہ رجیع میں حضرت خبیبؓ بن عدیؓ کی گرفتاری اور بعد ان کی دار پر پھانسی/شہادت کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے مولانا سعید انصاری نے اپنے مقالہ میں اور صحابی جلیل کی پوری سوانح، قربانی، اشعار اور بوقت شہادت ان کی بددعا کے اثرات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلیم وتحسین سے جذباتی طور سے کلام کیا ہے۔ (معارف ۱/۱۰: اپریل ۱۹۱۷ء)

حضرت سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہؓ پر مولانا حاجی معین الدین ندوی کا مقالہ بھی شہید اسلام کے ضمن/عنوان سے جذباتی رنگ وبیان میں لکھا گیا ہے حالانکہ وہ عہد نبوی کے بعد جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تھے۔ پورا مقالہ صحابی جلیل کی سیرت وکردار اور اس کے حوالے سے رضاعت کبیر، امامت نماز و معلم صحابہ وغیرہ کے مسائل سے بھی بحث کرتا ہے۔ (معارف ۱/۱۲: جون ۱۹۱۷ء)

غزوہ مریسیع کے پس منظر میں واقعہ افک پیش آیا تھا۔ اسی کے صرف ایک پہلو حضرت عائشہؓ کی اس وقت عمر کیا تھی؟ کا استفسار آیا جس کا جواب معارف میں دیا گیا کہ وہ اس وقت صرف چودہ برس کی

تھیں۔اس ضمن میں مختلف اوقات ومراحل میں ان کی عمر کی تعیین کی گئی ہے۔ عارف عمری کے اس مختصر مقالہ میں سیرت عائشہ پر سید صباح الدین عبدالرحمن کے مقالہ کا نقد ہے۔(معارف ۱۴۲/۱: جولائی ۱۹۸۸ء)

(ک)دوسرے واقعات عہد نبوی اور سیرتی مباحث میں ہیں: ۱۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے کی وفات اور سورج گرہن کا واقعہ جو مولانا انیس الرحمن ندوی کا مقالہ ہے۔ وہ اوہام و خرافات میں آیات الٰہی وآیات قرآنی سے ثابت کرتا ہے کہ جدید فلکیات کے نظریات کے سورج گرہن کا واقعہ اس روز پیش آیا تھا۔وہ سائنسی مباحث کا ملغوبہ ہے اور واقعہ وفات سے کم متعلق ہے۔

۲۔حضرت ابراہیم فرزند نبوی کی والدہ ماجدہ حضرت ماریہؓ قبطیہ کی بابت ایک مختصر استفسار کا ایک جواب معارف میں چھاپا گیا۔سید ریاست علی نے مقوقس مصر کے ہدیہ کے ارسال کی نئی توجیہ کی کہ وہ دو بہنوں کے بیک وقت ایک نکاح میں موجودگی یا حرمت جانچنا چاہتا تھا۔حضرت ماریہؓ سے نکاح نبوی اور ان کی بہن سے حضرت حسانؓ کا نکاح دلیل بنا۔(معارف ۱۷۷/۲: فروری ۲۰۰۶/۵۴/ ۴: اکتوبر ۱۹۴۴ء)

۳۔حضرت زینب بنت جحشؓ سے زواج نبوی پر مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کا مختصر مقالہ پس منظر میں ان کے نکاحِ حضرت زیدؓ اور اس سے فارغ خطی/طلاق کے بعد زواج نبوی کے واقعہ کو بیان کرتا ہے اور دونوں کی مصالح دینی واضح کرتا ہے۔مقالہ نگار کا موقف ہے کہ طلاق وعدم موانست کے ذمہ دار حضرت زیدؓ تھے مگر ان سے ایک مولیٰ کے نکاح وطلاق کو ''دوذلتوں'' سے تعبیر کرنا صحیح نہیں ہے۔وہ نسلی غرور کی شکست کا معاملہ نہ تھا۔اسلام کے نظریہ کفو ومساوات کا واقعہ تھا اور حضرت زینبؓ سے نکاح نبوی منہ بولے فرزند (متبنی) کی زوجہ سے شادی بیاہ کے غلط تصور جہالت کو توڑنا تھا۔(معارف ۷۶/۱: جولائی ۱۹۵۵ء)

عام صحابہ کرام اور بالخصوص ازواج مطہرات میں سے صرف تین پر مقالات معارف کے پورے دورانیے میں شائع کیے گیے جو بہت کم تعداد ہے۔

۴۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ وفات اور وقت وصال پر فیروز الدین احمد فریدی کے دو مفصل ومدلل اور تحقیقی مقالات میں قطعی طور سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ تاریخ تو ۱۲/ربیع الاول ۱۱ھ

دوشنبہ تھی اور وقت وصال ''نماز ظہر کا اول وقت جب آفتاب نصف النہار سے ڈھل چکا تھا مگر جون کی گرمی کی شدت نصف النہار پر تھی''۔ انھوں نے مصادر کے علاوہ تقویم اور حساب وریاضی سے بھی بحث کی ہے اور جدولیں بھی دی ہیں۔ ان کا ایک اہم نتیجہ یہ ہے کہ جدید سائنسی حساب سے تاریخیں تو متعین کی جاسکتی ہیں لیکن یہ کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے کہ عرب مکہ و مدینہ نے اسی دن چاند بھی دیکھا تھا۔ (معارف ۱۸۹۔۱۹۰ /۶،۱: جون، جولائی ۲۰۱۲ء)

وفات نبوی پر خطبہ فاروقی کی معنویت محمد یٰسین مظہر صدیقی کا مقالہ احادیث بخاری: ۳۶۶۹۔۳۶۷۰ کے حوالے سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ چشم دید وبصیرت افروز تجزیہ پیش کرتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے خطبہ نے منافقین اور دوسرے دشمنان اسلام کی سازش ومنصوبہ بندی کا جال توڑ دیا اور خطبہ صدیقی نے وفات نبوی کے بعد امت اسلامی کو سنبھالا دیا۔ دوسرے مصادر وشواہد سے یہ حقیقت بھی ظاہر کی کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جو کچھ کہا تھا اور وفات نبوی کی بات کہنے والے کو قتل کی تہدید کی تھی وہ بہ قائمی ہوش وحواس اور پورے تدبر ونظر کے بعد کہی تھی۔ وہ عام خیال خام کے مطابق بیگانہ خرد اور دیوانہ اندوہ نہیں ہوئے تھے۔ صحابہ کرام اور ان کے شیخین کریمین دونوں حقیقت سے واقف تھے۔ (معارف ۱۷۹/۶: جون ۲۰۰۷ء)

وفات نبوی پر بعض صحابہ کرام کے مراثی کلیم صفات اصلاحی کا مقالہ ہے جو صحابہ وصحابیات کی شعر خوانی اور عام ادبی ذوق کے علاہ وفات نبوی کے جانکاہ حادثہ پر متعدد صحابہ کرام کے مراثی کو جمع کرتا ہے اور ان میں حضرت حسانؓ بن ثابت اور حضرت صفیہؓ کے علاوہ بعض (اکابر صحابہ) کے مفرد اشعار شامل ہیں۔ اشعار کے اردو تراجم اور بعض تشریحات بھی پیش کی ہیں اور بعض کے فنی محاسن بھی دکھائے ہیں۔ ان میں سے بعض ناقدین کے نقد بھی ہیں لیکن ان سے بحث نہیں کی۔ (معارف ۱۹۱/ ۲: فروری ۲۰۱۳ء)۔

(گ) تعمیر امت اسلامی: کار منصبی کا ثمرہ امت اسلامی کی بعثت اور تنظیم وتشکیل امت محمدی کا کارنامہ بلکہ وتدبر نبوی کا ملی انعام تھا جس کو مقالہ نگار محمد یٰسین مظہر صدیقی نے اپنے مقالہ ''مکی مواخات۔ اسلامی معاشرہ کی اولین تنظیم'' شائع وثابت کیا ایک معتدبہ تعداد اسلامیان مکہ کے بعد ان کی مواخاۃ کی گئی جو دین اسلام کی اخوت برادری پر استوار تھی۔ قریش مکہ کے دو مختلف خاندانوں کے دو سماجی و دینی اور

اقتصادی طور سے ہم پلہ مسلمانوں میں قائم کی گئی اور وہ مستقل تنظیم تھی جس میں برابر اضافہ ہوتا رہا اور امت مسلمہ وجود میں آ گئی۔ بعد میں اسی تجربہ و ماڈل پر مدنی مواخاۃ کی توسیع کی گئی تھی۔ مکی مواخاۃ کا بالعموم سیرت نگاران عصر حاضر نے مقاطعہ کیا ہے اور صرف مدنی مواخاۃ سے بحث کر کے اسے مدنی تنظیم بنا دیا ہے۔ (معارف ۱۶۰-۱۶۱/۶، ۱: دسمبر ۱۹۹۷ء جنوری ۱۹۹۸ء)

سید سلیمان ندوی کا مقالہ امت مسلمہ کی بعثت دراصل ان کی ناتمام کتاب سیرۃ النبی جلد ہفتم کا ایک باب ہے جو دوبارہ معارف میں چھاپا گیا۔ وہ نظریہ خلافت الٰہی، امت محمدیہ اور امت اسلامی کی آخری بعثت پر نظری و فکری بحث کرتا ہے اور امت اسلامی کو دوسری امتوں سے الگ اور افضل ثابت کرتا ہے اور امت محمدیہ کے خصائص سے آخر میں تعرض کرتا ہے۔ (معارف ۵۷/۴: اپریل ۱۹۴۶ء)

(ل) مدنی عہد نبوی کے مباحث و واقعات: تاریخی ارتقا اور واقعاتی توسیع زمانی و مکانی قیود و حدود کی پابند نہیں ہوتیں۔ مکی دور سے مدنی عہد تک ایک مسلسل ارتقاء کا عمل ملتا ہے۔ سیرت نبوی کے تمام اطراف و میادین میں اسی قانون قدرت الٰہی کی تاثیر نظر آتی ہے لیکن زمانی ادوار کی تقسیم کی جاتی ہے اور وہ صرف تفہیم و تسہیل کی خاطر نہ کہ کسی جوہری فرق کی وجہ سے۔ سوانح و سیرت اور کار رسالت کے تمام زیریں دھارے اور بالائی حوادث و واقعات اپنے زمانی و مکانی رنگوں میں عہد مدنی میں جلوہ آرائیاں کرتے رہے اور اسی کے مقالات معارف جو مختلف عناوین کے تحت زیر بحث آتے ہیں:

۱۔ مدینہ منورہ اور اس کے آثار: متعدد مقالات معارف شہر یثرب (مدینہ منورہ) کے جغرافیائی و تاریخی پس منظر اور اس کے آثار متبرکہ جیسے مساجد نبوی وغیرہ پر مشتمل ہیں ان کا ایک مختصر جائزہ مع فہرست مضامین پیش ہے:

تاریخ الحرمین الشریفین از مولانا عبدالسلام ندوی پر کلیم صفات اصلاحی کا مقالہ اصلاً محمد حبیب النبونی کے حذیو مصر عباس حلمی پاشا کے الرحلۃ الحجازیہ کا اردو روپ ہے۔ مقالہ نگار نے مولانا عبدالسلام کے سوانح دینے کے بعد مشتملات کتاب کا جائزہ پیش کیا ہے جو مقدمہ سلیمان ندوی کے علاوہ سفر حج کے واقعات کے ضمن میں تاریخ مکہ و مدینہ اور ان کے آثار قدیمہ بیان کرتا ہے۔ (معارف)

شہر یثرب سے متعلق دو مقالات سید ابوالحسن علی ندوی یا ان کی اقساط مصنف گرامی کی عربی کتاب السیرۃ النبویہ کے ایک باب کی تفصیلات و مباحث پیش کرتے ہیں اور جغرافیائی، تاریخی،

معلومات دیتے ہیں۔اس کا حوالہ مولانا ضیاء الدین اصلاحی کے مقالہ السیرۃ النبویہ اور نبی رحمت کے حوالے سے آچکا ہے۔وہ حرمین شریفین خاص کر مدینہ منورہ کی مدنیت اور شہری حیثیت سے بحث کرتا اور انھیں خاص مباحث بتاتا ہے مگر اس سے قبل متعدد کتب و مقالات میں یہ نکات زیر بحث آچکے ہیں۔اردو ترجمہ شمس تبریز خاں کے قلم سے ہے۔(معارف ۱۱۸-۱۱۹: نومبر ۱۹۷۶)

حریم قدس یعنی مسجد نبوی کی بنیاد، تعمیر و تاریخ وغیرہ پر مولانا عبدالسلام ندوی کا مقالہ تین اقساط میں چھاپا گیا ہے۔مساجد قبا و مدینہ سے متعلق آیات کریمہ اور ان کی تعمیر و توسیع کے اخبار و روایات، فن تعمیر و ساخت کے بعض مباحث، تزئین مساجد جیسے روشنی و صفائی کے انتظامات وغیرہ۔عہد نبوی کے بعد کے ادوار سے بھی کافی مفصل بحث ہے۔(معارف ۱/۱-۳-۴: جولائی، ستمبر اکتوبر ۱۹۱۶ء)

مجلہ الحج مکہ مکرمہ اگست ۱۹۹۹ء سے اخذ کر کے مضمون/ مقالہ کی تلخیص کلیم صفات اصلاحی نے کی ہے اور مساجد مدینہ کا ذکر کیا ہے جو عہد نبوی سے بعد کے ادوار تک وسیع ہے۔مساجد قبا، مدینہ، عمر بن خطاب، ابوبکر، علی، الرایہ، الزیاب (خندق) سلمان فارسی وغیرہ کا ذکر اور ان کی دیکھ ریکھ کا سعودی نظام زیر بحث آیا۔(معارف ۱۶۵/۱: جنوری ۲۰۰۰ء)

دعوت نبوی اور تعمیر امت اسلامی کے سلسلہ علت و معلول اور تسلسل سعی و حاصل کے نتیجے میں تعلقات و مباحث آتے ہیں۔دعوت نبوی کے اصول و مقاصد میں مقالہ نگار حیدر زماں صدیقی نے نظری و فکری باتوں کے علاوہ دعوت نبوی کے مدنی دور سے زیادہ واسطہ رکھا ہے۔مقامات دعوت، غزوات میں دعوت، تعلیمات دعوت اور مقاصد دعوت وغیرہ سے بحث کی ہے۔مصالحت و انصاف کی پرورش اور جنگ و قتال سے پرہیز اور بدرجہ جہادی قوانین کی تعلیم سے تعرض کیا ہے۔(معارف ۶۷/ ۵: مئی ۱۹۵۱ء)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکتوبات کی روشنی میں یمن میں اشاعت اسلام کی بحث اندرون ملک تعلقات اور دعوت و مراسلات کے ضمن میں آتی ہے اور مراسلات و مکاتبات نبوی کے باب کا ایک حصہ ہے۔ملوک یمن و حمیر وغیرہ کو دعوت اور ان کی دربار رسالت میں حاضری اور سفراء و مکاتبات کی تفصیل کے علاوہ خاص عمرو بن حزمؓ کا ذکر کیا ہے۔اس میں غیر متعلق مباحث ہیں جیسے یمن کا جغرافیہ و تاریخ وغیرہ۔نصاریٰ نجران سے معاہدے و مباہلے کی تفصیل بھی دی ہے۔(معارف)

یہود مدینہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلقات کا مبحث بلال عبدالحئی حسنی ندوی کے مفصل

مقالہ میں ہے: مختلف قبائل یہود سے دعوتی ومزاحمتی روابط، قتال و جہاد، مسلم اکابر یہود، یہودی شریعت اور تورات میں تحریفات، ان کی دین داری، آبادی، یہودی آطام اور قلعوں کی تعداد اور ان سے واقفیت عرب و رسول اور یہودی فطرت اس کے مباحث ہیں۔ (معارف ۱۴۹/۵-۶: مئی، جون ۱۹۹۲ء)

لطف الرحمن فاروقی کا مقالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری ہدایت نامہ اصلاً نجران کے نصاریٰ اور ان کے اکابر سے مراسلات ومعاہدات وتعلقات پر مشتمل ہے۔ نجران کی جغرافیائی وتاریخی اہمیت، یہودیت وعیسائیت کی کشمکش اور دوسرے مباحث ضمنی بہت ہیں اور مکتوبات نبوی کی بحث بعد میں مفصل آئی ہے اور اس کے نتیجہ میں اسلامی دعوت اور اسلامی حکومت کی تنظیم سے بحث کی گئی ہے۔ امراء نبوی بالخصوص حضرت عمرو بن حزم کا تقرر اور ان کے پروانہ تقرری کا متن وتفسیر زیادہ مفصل ہے۔ (معارف ۱۷۹/۳: مارچ ۲۰۰۷ء)

(م) بیرون ملک تعلقات: دعوت ومراسلت میں حبشہ، روم، ایران، عراق، مصر وشام کے حکمرانوں سے مراسلت نبوی کے ذریعہ مباحث ومقالات آئے ہیں۔ حبشہ سے تعلقات پر لطف الرحمن فاروقی کا مفصل مقالہ اس کے تاریخی وجغرافیائی اور دینی مباحث تمہیدی سے مفصل بحث کرتا ہے اور اسی طرح جاہلی دور میں مکہ وقریش سے تعلقات سے بھی۔ عہد رسالت میں دونوں ہجرتوں کی تفصیل کے علاوہ حضرت ام حبیبہؓ سے زواج نبوی اور حضرت جعفرؓ وغیرہ کی اولاد اور قیام حبشہ، دوسرے مہاجرین حبشہ، اسلام نجاشی اور وفود حبشہ کے علاہ نصاریٰ نجران کی حاضری و وفد سے بھی تعرض کرتا ہے۔ (معارف ۱۸۱/۱-۲: جنوری فروری ۲۰۰۸ء)۔

عہد نبوی کے ایرانی عربی تعلقات پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا مقالہ تاریخی پس منظر کے بعد سورہ روم کے حوالے سے عرب اور روم وایران کے مابین سہ طرفہ تعلقات کو زیر بحث لاتا ہے۔ ایران وروم کی جنگوں میں رومی غلبہ کی پیشگوئی اور بعد میں ایران وروم سے مراسلات ومکتوبات نبوی کا ذکر ہے اور نامہ کسریٰ اور اس کے جواب میں بشارت رسول کا ذکر بھی ہے۔ فرمان نبوی کے متن کی دفعہ وار تشریح خاص خوبی ہے جو متن کے اختلافات بھی دکھاتا ہے۔ خسرو پرویز کے قتل اور بعد کے حکمران ایران کے رویے سے بھی بحث کی گئی ہے۔ مقالہ بلاشبہ تحقیقی اور علمی ہے اور ایک گراں قدر دستاویز بھی۔ (معارف ۱۵۰/۱: جولائی ۱۹۴۲ء)۔

(ن) عہد نبوی کے پورے دورانیہ پر شامل وحاوی موضوعات ومباحث جیسے احادیث نبوی، جوامع الکلم ،علوم وفنون وغیرہ پر بھی معارف سیرت برابر چھاپے گئے۔ان کی نوعی تقسیم سے ایک جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

احادیث واقوال نبوی: حدیث وحی غیر متلو ہونے کے سبب زبان نبوی میں وارد ہوتی ہے اور بصورت معانی قلب وذہن نبوی پر منجانب اللہ اترتی ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ ان کی زبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشری لسان ہوتی ہے یا معانی الٰہی کو اپنی زبان نبوی سے ظاہر فرماتے تھے۔ بسا اوقات وہ زبان الٰہی بھی رکھتی تھی ،صرف حدیث قدسی ہی نہیں بلکہ زبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ادا کردہ الفاظ و کلمات اوران کی ترتیب وتشکیل بھی وحی الٰہی ہوتی تھی ،اس بنا پر اس کا اعجاز شخصی سے زیادہ ربانی ہے۔

مکتوب انیس الرحمن ندوی میں اقوال نبوی کا اعجاز صرف ایک حوالے سے ابھارا گیا ہے کہ تشریعی اعمالِ پیغمبرانہ کے علاوہ کچھ عادی اعمال بشری تھے جن سے مقصود صرف اعجاز نبوی ظاہر کرنا تھا اوران میں سے اقوال واحادیث کے ایک حصہ کے سواطب نبوی سے متعلق فرمودات معجزانہ تھے کہ وہ کسبی اور اکتسابی نہ تھے۔ان معارف معجزانہ کا ایک خزانہ ہے۔(معارف ۱۷۶/ ۳: ستمبر ۲۰۰۵ء)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فصاحت وبلاغت اور موثر اسلوب کا ایک خاص جائزہ مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ نے صحیح بخاری کی بعض احادیث سے لیا ہے اوران کا اعجاز دکھایا ہے۔(معارف ۱۵۳-۱۵۴/ ۶،۱: جون جولائی ۱۹۹۴ء)

کلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں علاقائی لہجے اور معربات کا سراغ ایک خاتون مقالہ نگار حفصہ نسرین نے اپنے مقالہ میں لگایا ہے کہ کلام نبوی میں فصاحت وبلاغت کے تمام عناصر موجود تھے اور جوامع الکلم ان کے شاہ کار تھے۔آپ نہ صرف افصح العرب تھے بلکہ تمام لہجات عرب پر قادر تھے اور قبائل عرب سے ان کے خاص لہجے میں کلام فرماتے جس کو قریشی بلغاء بھی نہ سمجھ پاتے۔ بدوی قبائل جیسے بنوسعد کے خاص الفاظ المنطقۃ/ المنطاۃ وغیرہ کے علاوہ آپ کے کلام میں فارسی، رومی، حبشی، سریانی، یونانی، ہندی الفاظ کا سراغ لگا کر مثالیں دی ہیں لیکن معربات سے بحث نہیں کی۔(معارف ۱۵۶/۳؍ستمبر ۱۹۹۵ء)

(و) شعروادب کی قدردانی: زبان وادب عربی اور نثر وشعر ونقد ادبی کے موضوع پر دو قابل قدر مقالات عبیداللہ کوٹی اور ریاست علی ندوی کے ہیں: شعروسخن کی قدردانی میں مقالہ نگار نے فصاحت و

بلاغت کی مختصر بحث کے بعد حکمت وسحر شعر کا ذکر کیا ہے اور اسے بطور ایک اسلحہ جہاد اسلام استعمال کرنے کی جہت دکھائی ہے۔شعر خوانی میں خاندان نبوی کے شعراء اور ادباء کا ذکر کیا ہے اور صحابی شعراء میں سے حضرات حسان، عبداللہ بن رواحہ، کعب بن مالک، لبید رضی اللہ عنہم کے علاوہ متعدد جاہلی و اسلامی سے کلام وشعر کی قدردانی کا ذکر کیا ہے۔نبوی نقد شعر واصلاح اشعار کی بھی بعض مثالیں دی ہیں اور شعر گوئی اور شعر خوانی کو اور حسن قراءت وحسن سماعت کو عیب نہیں سمجھا اور اس کی خوب توجیہات کی ہیں۔(معارف ۱۳۲/۳-۵: ستمبر-نومبر ۱۹۸۳ء)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شعرائے کرام کے بارے میں ایک استفسار کے جواب میں ''ر'' کے مخفف سے جواب معارف یہ دیا گیا کہ حضرات کعب ؓ بن زہیر وحسان ؓ بن ثابت کے علاوہ دوسرے شعرائے نامور تھے جیسے کعب ؓ بن مالک اور عبداللہ ؓ بن رواحہ، عامر ؓ بن اکوع، علی ؓ بن ابی طالب، حمزہ ؓ بن عبدالمطلب اور ضرار بن خطاب وغیرہ رضی اللہ عنہم جن کے اشعار بھی ملتے ہیں۔یعمری کے رسالہ میں دوسو صحابہ وصحابیات کے شعر وادب کا حوالہ زرقانی کے حوالے سے ہے۔حضرت کعب بن زہیر پر دوسرا جواب ''م'' کے مخفف سے چھپا ہے اور خاصا مفصل ہے۔(معارف ۵۲/۲: اگست ۱۹۴۳ء)۔

(ہ) عہد نبوی میں علوم وفنون: معارف دارالمصنّفین میں عہد رسالت کے علوم وفنون، نظام تعلیم، علمی ومجلسی اور ادبی انجمنوں اور دوسرے اداروں اور مقامات ومراکز پر بھی مقالات چھاپے گئے۔ان کا ایک مختصر جائزہ مختلف عناوین وموضوعات کے تحت لیا جاتا ہے:

نظام تعلیم: عہد نبوی میں تحریر وکتابت کا رواج توقیر احمد ندوی کے مقالے میں عام ناخواندگی عرب کے تناظر میں صحابہ وصحابیات کے پڑھنے لکھنے سے واقف ہونے اور صاحبان علم ہونے اور ان کے ذرائع سے بحث کرتا ہے۔آیات قرآنی، احادیث نبوی اور مراسلات نبوی سے ان کی تحریر وکتابت اور بعض اسیران بدر اور علماء یہود سے تعلیم کتابت کا ذکر کیا ہے۔مخصوص کاتبین نبوی کی فہرست دی ہے اور کاتبین وحی کی تعداد مختلف روایات کے مطابق بیس تا بیالیس بیان کی ہے اور صحائف حدیث، ہدایت ناموں اور کاتبین کا ذکر بھی کیا ہے وہ خالص مدنی دور سے بحث کرتا ہے۔(معارف ۱۷۴/۲: اگست ۲۰۰۴ء)

اسلامی تعلیم کے ابتدائی مراکز ومقامات قاضی اطہر مبارکپوری کا مقالہ مذکورہ بالا کے برخلاف مکی دور کے مراکز تعلیم قرآن سے بحث کا آغاز کرتا ہے۔ان کے خیال میں پورے عہد مکی میں باقاعدہ

درس گاہ نہ ہونے کے باوجود متعدد مقامات جیسے مسجد ابوبکر، دارارقم، بیت فاطمہ بن خطاب، شعب ابی طالب کو درس گاہوں کا درجہ دیا جاسکتا ہے اور ان کے معلمین حضرات خبابؓ بن ارت تمیمی، سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہ وغیرہ تھے۔ مدنی دور کے مراکز و مقامات تھے: مسجد بنی زریق، نقیع الخصمات میں مصعبؓ بن عمیر، ابن ام کلثوم اور رافعؓ زرقی وغیرہ معلمین تھے۔ وہ سب فضلاء مکہ تھے۔ اسی طرح بعض دوسرے مقامات عرب اور صوبوں میں مراکز درس تھے۔ امراء وعمال کے حلقے تھے بعد کے مراکز کا بھی ذکر ہے۔ (معارف)

ہجرت سے پہلے مدینہ کی درس گاہیں مقالہ نگار مذکور کا دوسرا مقالہ شہر نبوی کی تین درسگاہوں کا ذکر خاص کرتا ہے۔ مسجد بنی زریق، مسجد قبا، نقیع الخصمات اور ان تینوں کے خاص معلمین کا ذکر بھی کیا ہے جن کا حوالہ اوپر کے مضمون میں آچکا ہے۔ مکانات صحابہ جیسے بیت العزاب (حضرت ابوخیثمہؓ کا مکان و مدرسہ)، بیت اسعد بن زرارہؓ اور دوسرے مکانات بھی مدارس و مکاتب تھے جن میں قرآن کی بطور خاص تعلیم دی جاتی تھی۔ نماز کی فرضیت اور بیعت النساء کی بحث روایتی اور غیر محقق ہے۔ (معارف ۱۴۸/ ۵: ۱۹۹۱ء)

قاضی صاحب موصوف کا تیسرا مقالہ مدینہ منورہ کی دینی و علمی اور ادبی مجالس ہے اور اس کا بیشتر تعلق عہد صحابہ و تابعین اور متاخرین سے ہے۔ عہد نبوی سے واسطہ دور کا ہے۔ اس کی خاص مجالس تھیں: مسجد نبوی، مجلس القلادہ، مجلس فقہائے سبعہ اور مختلف اکابر سے موسوم و منسوب مجالس علمائے مغازی، عقیل بن ابی طالب وغیرہ اور حلقہ ہائے اہل علم۔ قاضی موصوف نے حضرت مروانؓ بن حکم اموی اور بعض دوسرے اکابر عہد کے بارے میں متعصّبانہ رائے سے کام لیا ہے۔ (معارف ۱۵۴/ ۶: دسمبر ۱۹۹۴ء)

عہد نبوی میں اسلامی ریاست کا نظام تعلیم شرف الدین اصلاحی کا مختصر و عمومی مقالہ ہے جو تعلیم کی معاشرہ میں اہمیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصب نبوت و معلم قرآن و حدیث سے بحث کرتا ہے۔ کتاب و قراءت کے فنون کا عام ذکر ہے اور وراثت کی تقسیم کے سبب حساب وریاضی کی تعلیم کا۔ باقی مباحث دور جدید میں تعلیم کی اہمیت پر ہیں۔ (معارف ۱۳۳/ ۶: ۱۹۹۴ء)

عہد نبوی کا نظام تعلیم ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا مفصل و محقق مقالہ ہے جو عربوں کی ذہنی صلاحیتوں اور غیر معمولی طبیعتوں اور ان کی صیقل گری اور اسباب جلاء سے بحث کا آغاز کرتا ہے۔ ان میں قوت

حفظ، قوت برداشت، حلم وکرم وغیرہ کا خاص حوالہ ہے۔ اسواق العرب، ایام العرب اور عہد جاہلی کے نظام وعیار تعلیم، قراءت وکتابت کی کمی شاعری کی فیض رسانی وغیرہ کے بعد جاہلی دور کے بعض مدرسے قبیلہ ہذیل وغیرہ میں بتائے ہیں۔ عہد نبوی میں قرآن کے نزول اور تعلیم کتاب وسنت معروف کی روایات بیان کی ہیں اور مکی ومدنی دور میں صحابہ کرام کی تدریسی وتعلیمی مساعی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدریسی وتنظیمی وتعلیمی تنظیمات کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ نصاب تعلیم، السنہ، امتحان وغیرہ اور تعلیم طفلاں وتعلیم بالغاں اور تعلیم نسواں کا ذکر بھی ہے اور مدارس ومکاتب ومراکز کا بھی، تربیت معلمین و کاتبین کا صیغہ بھی ڈھونڈ نکالا ہے۔ پورا مقالہ بہت مفصل ومحقق اور بقول مدیر معارف سلیمان ندوی ''یوروپی طرز خیال وذہنیت کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے اور انگریزی سے اردو میں ڈھالا گیا ہے''۔ تبصرہ سیدؒ مولویانہ ہے۔ (معارف ۴۸/ ۵، نومبر ۱۹۴۱ء)۔

عہد نبوی کی چند یادگار تحریریں قاضی اطہر مبارکپوری کا ایک اور مقالہ عہد نبوی کے تحریری سرمایہ سے بحث کرتا ہے۔ مراسلات نبوی، عربی اکابر وصحابہ کرام، شاہان عرب وباشندگان دومہ، ایلہ و اذروح ومقنا، نصاریٰ نجران، اہل طائف، وفود عرب کی تحریریں، بعض صحائف صحابہ جو صدیوں یادگار رہے اور وثائق نبویہ دوسرے مباحث ہیں۔

تدوین قرآن:　　عہد نبوی میں قرآن مجید کی تدوین سید بدرالدین علوی کا مفصل ومدلل مقالہ ہے جس کے خاص مباحث ہیں: نزول وحفاظت قرآن، مکی ومدنی سورتوں میں کتاب کا استعمال، کتابت آیات قرآنی کے بعد ان کی سماعت واصلاح نبوی، ترتیب آیات وسور توقیفی فرماتے جو عہد نبوی میں ہوگئی تھی اور تواتر وتدریس قرآن سے متعلق مباحث، بعد کے دور خلافت میں تدوین واشاعت قرآن کے معاملات ومساعی، قرآن کی کتابت واملا اور ترتیب پر فنی مباحث اور عہد عثمانی پر بحث قیمتی ہیں مگر بعد کے دور کے۔ (معارف)

قصہ غرانیق اور شیطانی آیات پر شوتی ابوخلیل کے عربی مقالہ کو عظیم اشرف جائسی نے اردو روپ دیا ہے اور جو سلمان رشدی کی کتاب کے اعتراضات سے بحث کرتا ہے اور ان کی تردید وابطال کر کے صحیح صورت حال سامنے لاتا ہے کہ قصہ محض افسانہ ہے اور حقیقت سے دور۔ (معارف ۱۶۱/ ۶: جون ۱۹۹۸ء)

کتابتِ حدیث وتدوین:　　محمد زبیر صدیقی کے انگریزی مقالہ کا اردو ترجمہ خلیق نقوی نے معارف

میں شائع کیا۔ وہ معروف مباحث پر مشتمل ہے جیسے حدیث کی اہمیت، صحائف صحابہ کرام، کتابت حدیث کے واقعات، ذرائع و آلات کتابت: قلم دوات و کاغذ/ چرم وغیرہ۔ کتابت حدیث کی اولین ممانعت کی توجیہ، جاہلی فنون کا نبوی دور میں ارتقاوغیرہ۔ (معارف ۶۷/۳: مارچ ۱۹۵۱ء)

خاتمہ بحث: معارف دارالمصنّفین اعظم گڑھ کی صدسالہ خدمات سیرت نبوی کا ایک طالب علمانہ جائزہ گزشتہ صفحات میں لیا گیا ہے۔ کوشش پوری کی گئی ہے کہ سیرت نبوی اور اس کے مبارک عہد کے تمام معارف کا احاطہ کیا جائے مگر اس کا قوی امکان ہے کہ بعض مقالات و مضامین سیرت وغیرہ نظر بشری سے اوجھل رہ گئے ہوں۔ معارف سیرت نبوی کا ایک قابل فخر خزانہ اس کے صفحات میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اس کے صاحبان قلم و مقالات و مضامین نگار اور مبصرین و مستدرکین میں عظیم مدیران معارف اور صاحب علم ارکان دارالمصنّفین کے علاوہ پورے برصغیر پاک و ہند کے ماہرین و محققین سیرت شامل ہیں۔ عرب علماء کے نگارشات اردو تراجم کے روپ میں شامل کر کے سیرت نبوی کے دائرہ نگارش میں مزید وسعت پیدا کی گئی اور نقد و تبصرہ سے فنی بلند پایگی کا ایک معیار معارف قائم کیا گیا۔ لیکن مغربی معارف سیرت سے زیادہ اعتنا نہیں کیا گیا اور جو کیا گیا وہ منفی ہے۔ سو سالہ معارف سیرت کا تجزیہ زمانی بتایا ہے کہ اولین دور میں رفتار کافی سست رہی اور وسطی دور میں ترقی آئی اور عصر حاضر میں غالباً سب سے زیادہ توجہ دی گئی۔ معارف اور دارالمصنّفین کا سب سے بڑا امتیاز تمام اہل علم اور سیرت شناس اکابر کے مقالات و مضامین کو بلا تکلف و تردد چھاپنا ہے خواہ اس میں اکابر دارالمصنّفین کے افکار و خیالات پر نقد کیا گیا ہو یا ان کی اغلاط و تسامحات کی نشاندہی کی گئی ہو۔ مدیران معارف وغیرہ نے ان تنقیدات کا جواب بھی لکھا اور اس میں اعتدال و انصاف برتا مگر بعض مداحین شبلی و سلیمان کے طنزیہ تبصرے بھی رہے اور سادات مشرقی کے مولویانہ تبصرے بھی۔ سب سے زیادہ حیرت ناک معاملہ یہ ہے کہ شبلی و سلیمان جیسے امامین ہمامین سیرت کے خاص سیرتی مقالات کا توڑا رہا اور متاخرین نے اماماں کرام کی تصانیف سیرت کی مدح سرائی کو کافی جانا۔ یہ بھی خاصا تشویشناک واقعہ ہے کہ سیرت نبوی پر معارف جیسے عظیم المرتبت رسالہ میں سیرت نبوی پر مقالات کی تعداد کافی کم رہی گرچہ ان کی کیفیت و بلند پایگی کی وجہ سے دوسروں کے لیے قابل فخر رہی۔ صدسالہ اکتسابات کا احتساب تقاضا کرتا ہے کہ سیرت نبوی پر مقالات و مضامین و تحقیقات کو سب سے زیادہ ترجیح دی جائے کہ وہی ہے اصل شان شبلی و سلیمانی۔

شری مدبھگوت گیتا اور مسلم مصنّفین

ڈاکٹر ٹی۔آر۔رینا☆

(۴)

تیسرا ادھیائے کرم یوگ یعنی انسانی افعال سے تعلق رکھتا ہے۔جب تک انسان قید حیات میں ہے افعال اس کے لیے لازمی ہیں، اسے ان سے نجات نہیں مل سکتی۔

سب افعال قدرت یعنی پرکرتی سے پیدا ہوتے ہیں اور اسی کی حرکت سے کل عالم متحرک ہے، ذات پاک بےلوث ہے۔جو شخص حواس کو شوق و نفرت کا مطیع نہیں ہونے دیتا، دلی تعلق اور انانیت کو ترک کر کے افعال کو قدرت کا باعث سمجھتا ہے وہ آخر میں افعال کی پابندی سے چھوٹ جاتا ہے، کیوں کہ وہ پھل کی اِچّھا (خواہش) نہیں رکھتا۔(اشلوک ۳۔۹)

۱۸۔جب اس کا منضبط خیال نفس پر جم جاتا ہے اور خواہشات کی آرزوئیں دل سے نکل جاتی ہیں، اس وقت یہ کہا جاتا ہے کہ وہ شخص متوازن ہے۔

۳۔پنہاں تھیں تجھ میں حسن کی ساری حقیقتیں
ہر حرف شوق نعرۂ منصورؒ ہوگیا
(سجّادانصاری)

۱۹۔جس طرح چراغ الٰہی ایسی جگہ نہیں جھلملاتا جہاں ہوا نہ ہو، اسی طرح وہ یوگی ہوتا ہے جو اپنے خیالات کو ضبط کر لیتا ہے اور نفس کے یوگ میں مصروف رہتا ہے۔

☆ ڈاکٹر ٹی۔آر۔رینا۔ایف ۷ ۲۳،لوئر ہری سنگھ نگر رہاڑی کالونی،جموں ۱۸۰۰۰۵۔
Mob:9419828542, E-mail:rrainaraina@yahoo.com

۳۰۔ جو مجھے ہر جگہ دیکھتا ہے اور ہر شے مجھ میں دیکھتا ہے اس کی گرفت نہ میں چھوڑ سکتا ہوں نہ وہ میری گرفت چھوڑ سکتا ہے۔

فاش می گویم و از گفتہ خود دلشادم
بندۂ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم
نیست بہر لوح دلم جز الف قامت یار
چہ کنم حرف دگر یاد ندارد استادم
(حزیںؔ)

نواب جعفر علی خاں اثرؔ لکھنوی کو ملاحظہ فرمائیں:

۱۸ تا ۱۹: جہاں جس کا ایسا ہے طرز عمل
کہ پڑتا نہیں آتما میں خلل
حقیقت سے اس کو ہوئی آگہی
خیالات کا روح مرکز رہی
اسے یکت کہنا ہی زیبا ہوا
کہ مل چکا سب سے، تنہا ہوا
دیا ہے ہوا سے جو محفوظ ہے
یونہیں دل بھی یوگی کا محفوظ ہے
حواسوں کے طوفان آتے رہے
مگر جوت اس کی بڑھاتے رہے

۳۰۔ میں ہی سب میں تھا اور سب مجھ میں تھا
نہ میں اس سے اور وہ نہ مجھ سے جدا
نہیں چھوڑتا وہ سہارا مرا
چرن ہیں مرے اور دوارا مرا

ڈاکٹر شان الحق حقیؔ کا منظوم ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

۱۸۔ ہوس کو تج کے، چت اور آتما کو اپنی جب یوگی
سدھارے گا تو پھر حاصل اسے روحانیت ہوگی

۱۹۔ ہوا سے دور اک گوشے میں لو ہو جیسے دیوے کی
لگائے حق سے لَو خلوت میں رہتا ہے یونہی یوگی

۳۰۔ جو دیکھے مجھ کو ہر شے میں، جو دیکھے مجھ میں ہی ہر شے
وہ مجھ سے پھر بچھڑ جائے بھلا کیسے یہ ممکن ہے

ساتویں ادھیائے کا خلاصہ اس طرح سے ہے کہ جو انسان ریاضت کی منزل طے کر کے علم اشراق یعنی روشن ضمیری کے درجے پر پہنچ جاتا ہے وہ پرکرتی کے ساتوں طبقوں کی سیر بطون میں کرتا ہے۔

بھگوان شری کرشن جی مہاراج ارجن سے یوں گویا ہوتے ہیں: اس پرکرتی میں آٹھ صفات پائی جاتی ہیں جن کے نام یہ ہیں: خاک، آب، آتش، باد، خلا، دل، عقل اور انانیت۔

آٹھویں صفت انانیت یعنی اہنکار یا تکبر ہے، یہ آٹھویں صفت باقی سات پر غالب رہتی ہے۔ نورالٰہی کی نویں صفت ہے جو سب سے اعلیٰ ہے، وہ ہے مادۂ حیات جس سے اس عالم کا قیام ہے، یہی صفت کل جانداروں کی جان اور کل عالم کے ظہور کا سبب ہے۔ اسی کا نام پرشوتم اور جیو ہے، اس ادھیائے میں سے اشلوک نمبر ۴، ۵ اور ۶ کا انتخاب کیا گیا۔ باقی اشلوکوں میں انہی کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

دل محمد صاحب کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے:

۴۔ یہ مٹی یہ پانی یہ آگ اور ہوا
یہ آکاش دنیا پہ چھایا ہوا
یہ دانش یہ دل یہ خیال خودی
ہے ان آٹھ حصوں میں فطرت مری

۵۔ یہ فطرت تو ادنیٰ ہے سن او قوی
مگر میری فطرت ہے اک اور بھی

وہ فطرت ہے اعلیٰ بنے جو حیات
اسی سے تو قائم ہے کل کائنات

۶۔ انہی فطرتوں سے ہے سب ہست و بود
انہی کے شکم سے ہوئے سب وجود
سو مجھ سے ہے آغاز عالم تمام
مری ذات میں سب کا ہو اختتام

گیان یوگ یا علم و معرفت سے متعلق محمد اجمل خاں کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

۴۔ میری قدرت کی تقسیم ہشت گانہ یہ ہے: ۱۔ مٹی ۲۔ پانی ۳۔ آگ ۴۔ ہوا ۵۔ ایتھر (آکاش) ۶۔ نفس ۷۔ عقل ۸۔ خودی

۵۔ یہ فطرت پست کی تقسیم تھی، اب میری فطرت بلند کو جو عنصر حیات ہے معلوم کر۔ اے قوی بازو، اس فطرت سے کائنات قائم ہے۔

۶۔ اس کو جملہ ہستیوں کا ماخذ حیات سمجھ۔ میں جملہ کائنات کی پیدائش کا مخرج ہوں اور اس طرح اس کے محو ہو جانے کا بھی مقام ہوں۔

ڈھونڈتے ہیں آپ سے اس کو پرے
شیخ صاحب چھوڑ گھر باہر چلے
ہم نہ جانے پائے باہر آپ سے
وہ ہی آڑے آگیا جیدھر چلے (دردؔ)

ڈاکٹر شان الحق حقی ساتویں ادھیائے ''وجود حقیقی کا ادراک'' کو یوں منظوم کرتے ہیں:

۴۔ زمین، پانی، ہوا، اگنی، سما، چت، من، انا کیا ہیں؟
یہ میری ذات کے صرف ایک رخ کے آٹھ اجزا ہیں
۵۔ بلند ان سے مہابا ہوا وجود ایک اور ہے میرا
جو ہے ہر جیو میں جس نے جگت میں جنم ہے پایا
۶۔ مرے ہی سب مظاہر ہیں، مجھی سے ہے یہ آبادی
میں کل سنسار کا پربھاؤ بھی ہوں اور پرلے بھی

نواب جعفر علی خاں اثرؔ لکھنوی کو ملاحظہ فرمائیں، اشلوک ۴ تا ۶۔

۴۔ زمیں آب و آتش، ہوا چار ہیں
پھر ایثر بدھی من اہنکار ہیں
انہیں آٹھوں سے ہے جہاں کی نمود
نہ ہوں یہ تو ہے حرف مہمل وجود
عیون و مظاہر ہیں میرے یہ سب
مجھی میں ہے پوشیدہ ان کا سبب
مجھی سے ہے مضمر بھی ان میں فساد
خرابی پہ قائم ہے ان کی نہاد
مگر یہ تو ادنیٰ ہے طینت مری
سمجھ اب تو اعلیٰ حقیقت مری
یہ دنیا کی شکتی سے معمور ہے
یہاں آفرینش کا دستور ہے
ہوا کرتی ہیں خلق اشیا یہاں
کہ جیسے گربھ سے ہو بچہ عیاں
وہی بطن یعنی وہ ''یونی'' ہوں میں
کل اشیائے عالم جہاں جمع ہیں
بناتا ہوں میں اور مٹاتا ہوں میں
اسے حسب منشا چلاتا ہوں میں

آٹھویں ادھیائے کا خلاصہ: ادھی یگ نور الٰہی یعنی ذات بے نشان کل موجودات کے قیام کا باعث ہے، وہ ہمیشہ ایک صورت پر قائم ہے، اس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ عقل کی وہاں تک رسائی نہیں۔ حواس و عقل کے ذریعے جو کچھ تمیز پیدا ہوتا ہے وہ برہم میں شامل ہوتا ہے اور تغیر پذیر ہے۔ ادھی یگ کا مقام سب سے اعلیٰ و بلند ہے، اس کے ادراک کے لیے علم اشراق کا حاصل ہونا لازم ہے۔

علم اشراق شغل یعنی ریاضت کے ذریعے بطون میں پیدا ہوتا ہے، تریٹی دھیان اور آتم دھیان دو الگ اشغال ہیں۔ انسان کو لازم ہے کہ وہ ان کا حامل ہو کر ادھی یگ کا وصال حاصل کرے۔ اشلوک نمبر ۹، ۱۰ اور ۱۲، ۱۳ اس ادھیائے مہا پرش یوگ کا خاص نچوڑ ہیں۔

دل محمد صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

۹۔ جو کرتا ہے یاد خدا اے علیم
پناہ جہاں بادشاہ قدیم
جو سورج سا پرنور، ظلمت سے دور
خفی سے خفی ماورائے شعور

۱۰۔ جو بھگتی کرے یوگ سے مستقل
جو مرنے پہ رکھتا ہے مضبوط دل
پر ان اپنے دو ابروؤں میں جمائے
تو پرنور عالی پرُش کو وہ پائے

۱۲۔ بدن کے اگر بند سب وا کرے
جو من ہے اسے دل کے اندر کرے
جمے اس طرح یوگ سے اس کا دھیان
کہ انساں کے سر میں رہیں اس کے پران

۱۳۔ جسے اوم کہتے ہیں نام خدا
وہ اک رکن کا حرف جپتا ہوا
مرے دھیان میں جس کا ہو اختتام
ملے اس کو مرتے ہی اعلیٰ مقام

ادھیائے نویں راج یوگ میں بتایا گیا ہے کہ ایشور کی شان سب سے بالا و برتر ہے، اس میں اوتاروں کے انسانی لباس میں ظہور ہونے کا ذکر ہے۔ اس میں مہاتماؤں کے خواص اور بھگتی کی خوبیوں کا تفصیل سے ذکر ہے، ہم نے اس ادھیائے سے اشلوک ۴، ۵ اور ۲۵ کا انتخاب کیا ہے۔

اشلوک نمبر ۴ و ۵ کو نواب جعفر علی خاں اثرؔ لکھنوی نے یوں اشعار کے قالب میں ڈھالا ہے:

۴۔ تسلط میں وہ جسم فانی کے ہے
وہ چکر میں دور زمانی کے ہے
یہ عالم ہیں میرے بچھائے ہوئے
مجھی میں یہ سب ہیں سمائے ہوئے

۵۔ مگر میں کوئی جزو ان کا نہیں
یہ میرے ہیں میں ان کا بندہ نہیں
کہ میں ان سے اور سب سے ہوں ماورا
یہ وابستہ مجھ سے میں ان سے جدا

۲۵۔ پجاری بنے جس کے اس سے ملے
کوئی پری سے اور کوئی بھوت سے
جسے میری الفت تھی مجھ سے ملا
نہیں اس میں تخصیص شاہ و گدا

دسویں ادھیائے کا خلاصہ یوں ہے: تمام اجسام صفاتی قوتوں سے بنتے ہیں اور صفاتی قوتیں ذات پاک کی قدرت کی مختلف اشکال ہیں۔ ذات پاک انہی اجسام میں اپنی قدرت کے ذریعے ان میں جلوہ گر رہتی ہے اور اپنا تماشا دکھاتی رہتی ہے، جو شخص انانیت کو ترک کر کے ذات قدیم لازوال کو پہچان لیتا ہے، وہی آخر میں وصال پاتا ہے، یہ ادھیائے بھوتی یوگ سے تعلق رکھتا ہے، اس ادھیائے کا سماں آخری دو اشلوکوں میں پوشیدہ ہے، ان کا مفہوم محمد اجمل خاں صاحب نے یوں قلم بند کیا ہے۔

۴۱۔ ارجُن! تو بس یہ سمجھ لے جو کچھ بھی اس دنیا میں عظمت، سعادت، جمال و جلال ہے وہ میری عظمت و جلال کا ایک جزو قلیل ہے۔

۴۲۔ لیکن اے ارجن! ان جزئیات کے علم سے تجھے کیا حاصل، میں نے اپنے جزو قلیل سے اس کائنات کو معمور کر دیا ہے اور میں اپنے ایک جزو سے دنیا کے بنانے کے باوجود جیسا تھا

ویسا ہی موجود ہوں۔

گیارہویں ادھیائے ''وشوروپ درشن'' کا خلاصہ: بھگوان شری کرشن جی مہاراج نے اس ادھیائے میں بتایا ہے کہ انسان کو فنا کے طریقت میں عشق کے وسیلہ سے انانیت کو ترک کر کے نور حقیقی کو اپنی ہستی تصور یعنی تسلیم کرنا ہوتا ہے، جب اس کی تسلیم بالکل عین الیقین سے گزر کر حق الیقین کا درجہ حاصل کر لیتی ہے تب طالب کل عالم کو اپنا ہی جلوہ دیکھتا ہے اور اسی کو وشوروپ درشن (وراٹ روپ) یعنی جلوۂ جہاں نما عارفوں نے کہا ہے، اسی حالت کو کثرت میں وحدت کہا گیا ہے۔ راقم نے اس ادھیائے سے اشلوک نمبر ۱۰، ۱۱ اور ۱۹ کا انتخاب کیا ہے، اب آپ ڈاکٹر شان الحق حقی کے قلم کا کرشمہ ملاحظہ فرمائیں:

۱۰۔ کہ دیکھے اس نے ان کے ان گنت مکھ، ان گنت آنکھیں
جمال آرا لباسِ رنگ رنگ و پر جواہر میں
انوکھا ہار گلہائے بہشتی کے سجے بر میں
عجب مہکار پھیلی اور سمادی اسلحہ چمکیں
۱۹۔ حدوں سے ماورا ہیں آپ، کیسی ابتدا، کیا انتہا اور بین ہر دو کیا
یہ سورج چاند، تارے آپ کی چشمان لاتعداد ہیں گویا
نہیں اندازہ کوئی آپ کے لاانتہا ہاتھوں کی شکتی کا
یہ ہستی کیا ہے پرتو ہے فقط نور تجلی کا

بارہویں ادھیائے کا خلاصہ: شری بھگوان کرشن جی مہاراج فرماتے ہیں کہ جو لوگ دل کو مجھ میں لگا کر پوری عقیدت سے میری پرستش یعنی پوجا کرتے ہیں، وہ واصلوں میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں اور ضبط حواس اور ریاضت کے وسیلہ سے ذات بے نشاں کے متلاشی ہوتے ہیں، وہ میری ذات میں جو واقعی بے نشان ہے، اس میں وصل ہوتے ہیں ، اس ادھیائے کہ تین اشلوکوں کا انتخاب کیا گیا ہے، پورے ادھیائے کے اشلوک نمبر ۶، ۷ اور ۸ ہی بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، دل محمد نے ان کے مفہوم کو کس طرح منظوم کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

۶۔ جو اعمال سب مجھ پہ قرباں کریں
پرستش مری بادل و جاں کریں

جو مقصود اعلیٰ مجھی کو بنائیں
فقط میرے ہی دھیان میں دل لگائیں

۷۔ میں کرتا ہوں ارجن انہیں کامگار
تناسخ کے فانی سمندر سے پار
دل اپنا جو مجھ سے لگاتے رہیں
مجھی سے نجات اپنی پاتے رہیں

۸۔ لگائے تو مجھ میں دل اپنا لگا
مجھی میں تو کر محو عقل رسا
تو پھر اس میں ہرگز نہیں کچھ کلام
تو پائے گا مجھ میں قیام و دوام

تیرہویں ادھیائے میں کشیتر اور کشیتر گیہ یوگ سے متعلق تفصیل سے بھگوان شری کرشن جی مہاراج نے ارجن کو سمجھایا ہے کہ اے ارجن اس کالبد عنصری کا نام جسم ہے اور جو اس کو جانتا ہے اسے عارف جان سکتے ہیں، کشیتر سنسکرت میں زمین کو کہتے ہیں اور کشیتر گیہ کے معنی کسان کے ہیں، یہاں کشیتر کے معنی جسم سے ہے اور کشیتر گیہ مکین یعنی جان کے ہیں، اس ادھیائے کے آخری دو اشلوکوں کو لیا گیا ہے جنہیں نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی نے یوں منظوم کیا ہے:

(۳۴تا۳۵) فقط ایک سورج کی ہے روشنی
پے کل جہاں وجہ تابندگی
اسی طرح کل شیتر تابندہ ہے
فقط روح گو نور بخشندہ ہے

جو چشم تعقل سے دیکھا کیا
وہ سمجھے عمل روح کا جسم سے
بہم کیوں ہے ان دونوں میں کارزار
تصادم کبھی اور کبھی خلفشار

وہ دانا ہیں اور اپنے دمساز ہیں
معمائے ہستی کے غماز ہیں
انہیں پر کھلا راز ہستی ہے کیا
بلندی ہے کیا اور پستی ہے کیا

چودہویں ادھیائے میں بیان کیا گیا ہے سلسلہ تناسخ سے کیوں کر چھٹکارا حاصل کیا جاسکتا ہے۔تناسخ ایک مسلسل صورت ہے جو پرکرتی یعنی صفات کے چرخ میں واقع ہے،صفات کی تین قسمیں ہیں،ستوگن،رجوگن اور تموگن،ان صفات کو اعلیٰ،اوسط اور ادنیٰ مانا گیا ہے۔جس وقت انسان اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تب جس صفت کا غلبہ ہوگا اس کی روح اسی صفت میں جذب ہوکر آئندہ پیدا ہونے والے وجودوں میں آشکارا ہوکر پیدائش وفنا کا سلسلہ جاری رکھتی ہے،جس وقت انسان اپنی اسی زندگی میں علم حقیقت سے آشکارا ہوجاتا ہے اور علم وعالم کی صورت سے اوپر اٹھ کر اپنی ذات کو صفات سے جدا جان لیتا ہے تب وہ اصل ذات یعنی نور الٰہی میں وصل ہوجاتا ہے اور دوبارہ پیدا نہیں ہوتا،اس ادھیائے میں سے تین اشلوکوں نمبر ۱۴،۱۵ اور ۱۹ کا انتخاب کیا گیا ہے جنہیں محمد اجمل خاں نے نثر میں یوں قلم بند کیا ہے۔

محمد اجمل خاں نے ستوگن کو (روشنی) رجوگن کو (حرکت) اور تموگن کو (تاریکی) بتایا ہے اور جو ان تینوں صفات (ثلاثہ) سے بلند ہوجاتا ہے وہ معراج کمال کو پہنچتا ہے۔

۱۴۔اگر اس وقت ستوگن کا دور دورہ ہو جب کہ روح اس جسم سے الگ ہوتی ہے،تو واقعہ یہ ہے کہ وہ بڑے بزرگوں کی پاکیزہ دنیاؤں میں جاتی ہے۔

۱۵۔اگر حرکت رجوگن کی حالت میں (روح وجسم کی) علاحدگی ہوتو وہ ان لوگوں میں پیدا ہوتا ہے جو عمل سے تعلق رکھتے ہیں اور اگر ظلمت کی حالت میں جسم وجان کی جدائی ہوتو وہ غیر مدرک جانوروں کے رحموں میں پیدا ہوتا ہے۔

۱۹۔جب ان صفات کے علاوہ صوفی کسی اور کو کارکن نہیں سمجھتا اور ''اُس'' کو پہچان لیتا ہے جو صفات سے برتر ہے تو وہ میری فطرت میں داخل ہوجاتا ہے۔

پندرہویں ادھیائے میں بتایا گیا ہے کہ انسانی زندگی ایک معما ہے جس کے حل کرنے

کی کوشش میں تمام ویداور علوم پیدا ہوئے ہیں اور جس شخصیت نے اس معمے کو حل کرلیا اس نے تمام ویدوں کا مقصد حاصل کرلیا، یہ جان و جسم اور عالم کے شہود کا ایک عجیب و غریب معما ہے جس کا اپنی زندگی میں حل کرلینا ہر ذی ہوش کا فرض ہے، اس ادھیائے کے اشلوک نمبر ۵ اور ۶ خاص اہمیت کے حامل ہیں جنہیں ڈاکٹر شان الحق حقی نے یوں منظوم کیا ہے، جس کا عنوان انہوں نے ''مرد کامل اور یوگ'' رکھا ہے۔

۵۔ جو مان اور موہ سنگ اور دوش سب کو جیت کر بیٹھے
چھڑالے کام سے پیچھا، دوہئی کو واہمہ جانے
جو عیش و غم کو سمجھے ایک، ہو آزاد دونوں سے
وہی پہنچے سرمنزل، مقام سرمدی پائے

۶۔ نہیں روشن وہ عالم چاند، سورج یا ستاروں سے
یہ نور و نار کیا، کچھ اور ہی انوار ہیں اس کے
تجلی سے ہے خود اپنی فروزاں، وہ ہے گھر میرا
وہاں مل جائے جس کو پار وہ واپس نہیں آتا

سولہویں ادھیائے میں بھگوان شری کرشن جی مہاراج ارجن کو یوں اُپدیش دیتے ہیں کہ جو انسان نیک خصلت اور نیک افعال سے اپنے دل کو کثافت سے پاک اور روشن کرلیتا ہے وہ منزل اعلیٰ کو حاصل کرتا ہے او جو اپنی بد خصلت اور بد افعالی سے دل کو کثیف کردیتا ہے وہ پستی میں گرتا ہے، عارف اپنی چشم معرفت کے ذریعے کسی قسم کے افعال کا مرتکب نہیں ہوتا اور وہی اعلیٰ مقام یعنی وصل پاتا ہے، اس ادھیائے سے اشلوک نمبر ۱، ۲، ۳، ۴ اور ۲۰ کا انتخاب کیا گیا ہے جنہیں دل محمد صاحب نے یوں نظم کیا ہے:

۱۔ سن ارجن ہیں کیا دیوتائی صفات
دلیری و علم و عمل میں ثبات
سخا، ضبط، یگ، دل کی پاکیزگی
تلاوت، ریاضت، سلامت روی

۲۔ اہنسا، صداقت، کرم، ترک عیش
نہ فطرت کا چنچل پنا اور نہ طیش
دل بے ہوس، پُرسکوں، طبع نرم
نہ دل تنگ ہونا، نگاہوں میں شرم

۳۔ صبوری صفا، زور، عفو خطا
حسد سے تکبر سے رہنا جدا
جب ان نیک وصفوں پہ مائل ہے وہ
تو انساں فرشتہ خصائل ہے وہ

۴۔ دورنگی، غرور و نمائش غضب
سخن تلخ باتیں جہالت کی سب
انہی سے اس انساں کی پہچان ہے
سدا سے جو فطرت کا شیطان ہے

۲۰۔ شکم میں شیاطیں کے ہوکر مکیں
یہ بہکے ہوئے مجھ تک آتے نہیں
یہ ارجن جنم پر جنم پائیں گے
یہ گرتے ہی گرتے چلے جائیں گے

سترہویں ادھیائے کا خلاصہ: ہر انسان کا زندگی میں کچھ نہ کچھ عقیدہ ہوتا ہے اور وہ اپنی عقل اور خیال کے مطابق اسی کو درست مانتا ہے۔ اصل میں درست و راسخ عقیدہ وہ ہوتا ہے جو حق پر مبنی ہو اور جس کا نتیجہ بھی ویسا ہی ہو۔

جو شخص حق اور باطل کی تمیز نہیں کرسکتا، اس کا عقیدہ راسخ نہیں ہوسکتا، جب تک انسان باطل عقیدہ، توہمات اور شکوک سے رہائی نہیں پاتا تب تک اس کا عقیدہ راسخ نہیں ہوتا اور وہ حق کا مشاہدہ نہیں کرسکتا۔ اس ادھیائے سے ہم نے اشلوک نمبر ۳، ۴ اور ۱۴ کا انتخاب کیا ہے۔ ان کا مفہوم محمد اجمل خاں صاحب نے یوں بیان کیا ہے:

۳۔اے بھرت! ہر شخص کا اعتقاد اس کی فطرت کے مطابق ہوتا ہے۔انسان اعتقاد ہی کا بنا ہوا ہے، جس کا جس پر اعتقاد ہے ویسا ہی وہ خود ہے۔

۴۔روشنی والے انسان دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں۔حرکت والے جن اور عفریتوں کو پوجتے ہیں اور اصحاب ظلمت بھوتوں اور پریتوں کو۔

۱۴۔دیوتاؤں، دوجنموں، استادوں اور عارفوں کی پرستش اور پاکیزگی، دیانت (تجرد) اتقا اور بے ضرر ہونا (یا کسی کو ایذا نہ پہنچانا) یہ جسمانی ریاضت (تپ) کہلاتی ہے۔

اٹھارہویں ادھیائے کا خلاصہ: جو شخص بھگوان شری کرشن جی مہاراج میں دل لگاتا ہے انہی کا طالب رہتا ہے، اپنے تمام اعمال انہی کو تفویض کرتا ہے، انہی کی پرستش کرتا ہے، انہی کو اس کائنات کا خالق سمجھتا ہے اور فنا کرنے والا، انہی کی ہدایت پر کاربند رہتا ہے۔اپنے تمام عقیدوں کو چھوڑ انہی کی ذات میں محو رہتا ہے، آخر میں وہ انہی میں وصل پا جاتا ہے۔اس ادھیائے کا لب لباب اشلوک نمبر ۶۵ اور ۶۶ میں پوشیدہ ہے، اس ادھیائے کا عنوان تیاگ اور سنیاس یوگ ہے۔

ڈاکٹر شان الحق حقی نے ان اشلوک کو یوں منظوم کیا ہے:

۶۵۔ہو میرا بھکت، پوجا کر مری رکھ دھیان بس میرا
ہے منظور نظر میرا تو بے شک مجھ کو پائے گا

۶۶۔بس اب تو تج کے ہر مسلک پکڑ لے آسرا میرا
میں تجھ کو ہر خطا پر وسوسے سے موکش کردوں گا

بھگوان شری کرشن جی مہاراج نے گیتا جی میں دو طرح کے انسانوں کی وضاحت کی ہے جن میں بے باکی، پاک باطنی، علم اور عمل میں استقامت، فیاضی، ضبط حواس، تکمیل فرائض مذہبی، تحصیل علم، ریاضت، راست بازی، خیر طلبی، سچائی، تحمل، نیکی، اطمینان، عیب پوشی، رحم دلی، قناعت، حلم، حیا، سنجیدگی، جلال، عفو، استقلال، پاک بازی، صلح جوئی اور انکسار ہوتا ہے وہ فرشتہ صفت انسان کہلاتے ہیں۔

جن میں فریب، خودنمائی، غرور، غصہ، سنگ دلی، دوسرے جانداروں کو ایذا پہنچانا اور جہالت ہوتی ہے وہ شیطانی خصلت والے انسان ہوتے ہیں۔شیطان کوئی مجسم شے نہیں ہے جو

بدافعالی کی ترغیب دیتا ہے بلکہ جب رجوگن اور تموگن کا غلبہ ہوجاتا جس کی وجہ سے انسان کے دل میں صفات ناقصہ پیدا ہوتی ہیں اس حالت کو شیطانی حالت کا نام دیا گیا ہے۔

انسان ریاضت اور ترک پندار سے وہ اعلیٰ مقام حاصل کرسکتا ہے جسے عارف لوگ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ایک وقت ایسا آئے گا جب اس کا ذات پاک میں وصل ہوجائے گا۔

دنیا کے جتنے بھی مقدس مذہبی صحیفے ہیں وہ انسان کی باطنی صفائی اور نور الٰہی کے دیدار کرنے کی تعلیم دیتے ہیں، اس کے بغیر نجات ممکن نہیں۔

مقدس گیتا ایک ایسا صحیفہ ہے جس کے ذریعے کسی مذہب کی تبلیغ نہیں کی گئی ہے بلکہ عالم انسانیت کو وہ راستہ دکھلایا ہے جس پر چل کر ایک عام انسان بھی اپنی زندگی میں نروان، موکش یا نجات حاصل کرسکتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اسے خود ہی اس راہِ مستقیم پر چلنا ہوگا۔

اس کرۂ ارض پر ہندوستان واحد ایسا ملک ہے جو مشترکہ تہذیب کا صدیوں سے گہوارہ چلا آرہا ہے، یہاں ایک دوسرے کے مذاہب کا احترام کیا جاتا ہے، ایک دوسرے کے مذہبی صحیفوں کے اردو میں ترجمے کیے جاتے ہیں، بہت سے ہندو مصنّفین نے پیغمبر اسلام کی سیرت سے متعلق کتابیں تصنیف کی ہیں، اسی طرح مسلم مصنّفین نے بھگوان شری کرشن جی مہاراج کے اُپدیش شری گیتا جی کے اردو میں ترجمے کیے ہیں جن کا ذکر اس مضمون میں کیا گیا ہے۔

یہ ہم سب کا فرض بنتا ہے کہ اپنی تنگ نظری کو ایک طرف رکھ کر ایک دوسرے کی مذہبی کتابوں کے ترجموں کا مطالعہ کریں جس سے ہمارے قلوب میں وسعت پیدا ہوگی اور ہماری قومی یکجہتی بڑھے گی، جس طرح اردو کسی ایک مذہب کی میراث نہیں، اسی طرح مذہبی صحیفے کسی ایک ملک یا مذہب کی میراث نہیں ہوتے بلکہ یہ عالم انسانیت کی میراث ہوتے ہیں جن کے چشمۂ فیض سے ہر انسان سیراب ہوسکتا ہے۔

اس مضمون میں سولہ مصنّفین کا ذکر آیا ہے جنھوں نے شری مدبھگوت گیتا جی کے ترجمے کیے ہیں، لیکن ایسے مسلم شاعر اور شاعرہ ہوئی ہیں جنھوں نے کرشن مہاراج جی کی بھگتی کے گیت گائے ہیں۔ ادب سے دلچسپی رکھنے والا کون سا ایسا شخص ہوگا جو رس خان کے نام سے واقف نہیں جو ان کا ایسا مرید ہوا کہ اپنا آبائی وطن ایران چھوڑ کر ہندوستان چلا آیا اور متھرا و بندرابن کو اپنا مسکن بنالیا۔

یہاں کی ایک چھوٹی سی پہاڑی پر مندر بنا ہوا ہے، جو رس خان کے ٹیلا کے نام سے مشہور ہے۔

بھگتی کال میں تاج بیگم نام کی ایک شاعرہ ہوئی ہیں (۱) جو پران کی طرح کرشن بھگتی میں رنگ چکی تھیں۔

آخر میں راقم ادب کے مصنّفین سے اس گزارش کے ساتھ یہ مضمون ختم کرتا ہوں کہ ''غیر مسلم'' اور ''غیر ہندو'' جیسے الفاظ کا استعمال نہ کریں۔ فیروز اللغات اور جان ٹی پلیٹس جیسی لغات میں یہ الفاظ درج نہیں ہیں۔ ان کے معنی نازیبا ہیں جو ہماری مشترکہ تہذیب کے لیے مناسب نہیں، فیروز اللغات میں ''غیر'' کے معنی یوں درج ہیں:

(نری، صنف) اجنبی، علاحدہ شے، دوسرا، رقیب، دشمن، بیگانہ، سوا، مختلف، حرف نفی، جیسے غیر آباد، دگرگوں، خراب، نازک۔ (اشاعت: جے ایس، سنت سنگھ اینڈ سنز، چوڑی والان دہلی، ۱۹۸۲ء، ص ۹۴ ۶) جان ٹی پلیٹس کی ڈکشنری میں ''غیر'' کے معنی یوں درج ہیں: Other, an other, different, altered, changeg (for the vorse), bad, stranger, foreing, an other person, an outsider, a stranger, foreigner, and a rival (اردو اکادمی دہلی، ۲۰۰۳ء، ص ۷۷۴) کیا مسلم حضرات کے لیے ہندو یا ہندوؤں کے لیے مسلم بدیشی یا اجنبی ہیں؟ صدیوں سے دونوں اس سرزمین پہ پیدا ہوئے اور اسی میں پیوند خاک ہوئے، کسی وقت انگریزوں نے اس لفظ کو نفرت پھیلانے کے لیے استعمال کیا اور ہم بغیر سوچے سمجھے اس کا استعمال کرتے چلے آرہے ہیں۔

اس مضمون میں میں نے کسی ہندو مترجم کے ترجمے کا ذکر نہیں کیا ہے، جن چار مسلم مصنّفین نے شری مد بھگوت گیتا جی کے ترجمے کیے ہیں انہوں نے بھگوان شری کرشن جی مہاراج کے چرنوں میں عقیدت کے پھول نچھاور کیے ہیں۔ مقدس صحیفوں کے تراجم ہماری مشترکہ تہذیب کی یکجہتی کو قائم رکھنے اور آگے بڑھانے کا اہم ذریعہ ہیں اور یہ سلسلہ آگے بھی جاری رہنا چاہیے۔

---

(۱) تاج بیگم بھگتی کال کی شاعرہ ہو گزری ہیں، جنہوں نے پران کی طرح بھگوان شری کرشن جی مہاراج کی تعریف میں بہت سے گیت گائے ہیں۔

علامہ شبلیؔ کی سیرت نگاری

جناب امتیاز عبدالقادر

علامہ شبلی نعمانی کے مذہبی، تحقیقی، ادبی اور تنقیدی کارنامے نہایت متنوع، گوناگوں اور عظیم الشان ہیں، مگر سیرۃ النبیؐ ان کا شاہکار اور کارنامۂ اعظم ہے۔ ادبیات اسلامی میں سیرت رسولؐ ایک اہم نیم تاریخی، نیم سوانحی صنف ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے بقول مسلمانوں کے بہت سے تاریخی اصول اور سوانحی نظریے سیرت نگاری سے ہی پیدا ہو کر ترقی پذیر ہوئے ہیں۔(۱) علاوہ ازیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے سیرت رسولؐ کی تدوین میں جس احتیاط، دیانت داری اور جرح و تعدیل سے کام لیا ہے، اس کی نظیر دنیا کے انتقادی ادب میں شاید کم ہی ملے۔ اس پر یہ بھی حقیقت ہے کہ آنحضرتؐ کی سیرت طیبہ پر ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے چنانچہ پروفیسر مارگولیتھ اسی غیر مختتم سیرت نگاری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:(۲)

"The biographers of Prophet Mohammad (SAW) form a long series which it is impossible to end but in which it would be honorable to find a place"

علامہ شبلیؔ کی سیرۃ النبیؐ کی پہلی دو جلدان کی اپنی مرتب کردہ ہیں۔ یہ سادہ بیوگرافی نہیں بلکہ اسے ان کے بنیادی نصب العین کے اعتبار سے دائرۃ المعارف النبویہؐ کہنا بہتر ہے۔ اپنی مکمل صورت میں یہ سیرت کے موضوع سے نکل کر اسلام کی صداقت اور حقانیت کے موضوع پر ایک کتاب بن جاتی ہے تاہم اس کا سوانحی حصّہ اپنی جگہ مکمل اور مفصل ہے۔(۳)

مستشرقین یورپ نے رسول اللہؐ کی حیاتِ طیبہ کو داغ دار کرنے کی جی توڑ کوشش کی ہے

ریسرچ اسکالر، کشمیر یونیورسٹی۔

اور طرح طرح کے بے بنیاد الزامات لگائے ہیں۔ ان کی تصانیف علامہ شبلی کی دسترس میں تھیں۔ انہوں نے منصوبہ بنایا تھا کہ ''سلسلۂ سیرۃ النبیؐ'' کی ایک جلد یورپین تصانیف کے لیے خاص رہے گی۔ جس میں بتایا جائے گا کہ یورپ نے آنحضرتؐ اور اسلام کے متعلق کیا لکھا ہے؟ ان کا سرمایہ معلومات کیا ہے؟ تاریخی واقعات میں وہ کیوں کر غلطیاں کرتے ہیں؟ مسائل اسلام کے سمجھنے میں ان سے کیا کیا غلطیاں ہوئیں؟ آنحضرتؐ کے اخلاق و عادات یا مسائل اسلام پر جو نکتہ چینیاں کی گئی ہیں، ان کے کیا جوابات ہیں۔ (۴)

سیرۃ النبیؐ کی پہلی جلد میں بہ کثرت حیات نبویؐ کے متعلق مختلف واقعات کے ضمن میں یورپین مصنّفین کے افکار و خیالات سے تعرض کیا گیا ہے اور اسلام و پیغمبر اسلام پر ان کے اعتراضات کا بھرپور جواب دیا گیا ہے۔ دو تین مثالیں مندرج ہیں:

رسول اللہؐ کی قبل بعثت زندگی میں ایک واقعہ بُحیرہ راہب سے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی عمر جب بارہ سال تھی تو اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ آپؐ نے شام (Syria) کا سفر کیا۔ اسی سفر میں بصریٰ کے مقام پر ایک عیسائی راہب جس کا نام بحیرا تھا، سے آپؐ کی ملاقات ہوئی تھی۔ اس واقعے کے حوالے سے علامہ شبلی لکھتے ہیں:

> ''یہ روایت مختلف پیرایوں میں بیان کی گئی ہے۔ تعجب یہ ہے کہ اس روایت سے جس قدر مسلمانوں کو شغف ہے۔ اس سے زیادہ عیسائیوں کو ہے۔ سر ولیم میورؔ، ڈریپرؔ، مارگیولوس وغیرہ سب اس واقعہ کو عیسائیت کی فتح عظیم خیال کرتے ہیں اور اس بات کے مدّعی ہیں کہ رسول اللہؐ نے مذہب کے حقائق و اسرار اسی راہب سے سیکھے اور جو نکتے اس نے بتا دیے تھے، انہی پر آنحضرتؐ نے عقائد اسلام کی بنیاد رکھی۔ اسلام کے تمام عمدہ اصول انہی نکتوں کے شروح اور حواشی ہیں۔
>
> عیسائی مصنّفین اگر اس روایت کو صحیح مانتے ہیں تو اس طرح ماننا چاہیے جس طرح روایت میں مذکور ہے۔ اس میں بحیرا کی تعلیم کا کہیں ذکر نہیں۔ قیاس میں بھی نہیں آسکتا کہ دس بارہ برس کے بچے کو مذہب کے تمام حقائق سکھا دیے جائیں''۔ (۵)

ڈریپرؔ اپنی کتاب ''معرکہ علم و مذہب'' میں یوں افتراء بازی کرتے ہیں:

''بحیرا راہب نے بصریٰ کی خانقاہ میں محمدؐ کونسطوری عقائد کی تعلیم دی۔
آپ کے ناتربیت یافتہ مگر اخاذ دماغ نے صرف اپنے اتالیق کے مذہبی بلکہ
فلسفیانہ خیالات کا گہرا اثر قبول کیا۔ بعد میں آپ کے طرزعمل سے اس امر کی
شہادت ملتی ہے کہ نسطوریوں (عیسائیوں کے ایک مذہبی فرقہ کا نام ہے) کے
مذہبی عقائد نے آپ پر کہاں تک قابو پالیا تھا''۔(۶)

سروليم ميور نے بھی نہایت آب ورنگ سے ثابت کرنا چاہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بُت پرستی سے جو نفرت پیدا ہوئی اور ایک مذہبِ جدید کا جو خاکہ آپؐ نے قائم کیا وہ سب اسی سفر اور اس کے مختلف تجربات اور مشاہدات کے نتائج تھے لیکن ظاہر ہے کہ اگر شارع اسلام بالفرض ان عیسائی اساتذہ کا تعلیم یافتہ ہوتا تو ناممکن تھا کہ توحید خالص کا وہ ولولہ اور تثلیث سے نفرت کا وہ جوش اُن کے سینہ میں پیدا ہوتا جو کہ قرآن کے ہر صفحہ پر نظر آتا ہے۔

مندرجہ ذیل بالا روایت کو ناقابل اعتبار ثابت کرتے ہوئے علامہ رقمطراز ہیں:

''اس روایت کے جس قدر طریقے ہیں سب مرسل ہیں یعنی راوی اول واقعہ
کے وقت خود موجود نہ تھا اور اس راوی کا نام نہیں بیان کرتا جو شریک واقعہ تھا......
اس روایت میں مذکور ہے کہ حضرت بلالؓ اور ابوبکرؓ بھی اس سفر میں شریک تھے
حالانکہ اس وقت بلالؓ کا وجود بھی نہ تھا اور ابوبکرؓ بچے تھے......''(۷)

سیرۃ النبیؐ کی ایک غایت یہ تھی کہ اس سے اخلاق کی اصلاح وتربیت کا کام لیا جائے۔ شبلی کے نزدیک اصلاح اخلاق کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ نفوس قدسیہ کی زندگیوں کو عوام کے سامنے پیش کیا جائے کیونکہ ''دنیا میں آج اخلاق کا جو سرمایہ ہے سب انہیں نفوس قدسیہ کا پرَتو ہے۔ دیگر اسباب صرف ایوانِ تمدن کے نقش ونگار ہیں''۔(۸)

اور اس لحاظ سے آنحضرتؐ کی ذات مبارک یقیناً تمام فضائل اخلاق کا مجموعہ ہے، کیونکہ آپؐ کی ہستی کو جامعیت کُبریٰ کا درجہ حاصل ہے۔ اس سب سے آپؐ کی سیرت طیبہ تمام انسانی ضرورتوں میں اور تمام تمدنی اور انفرادی مسائل میں نصیحت، عبرت اور تربیت کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

ہر زمانہ میں اہل باطل کو، اہل حق کی اخلاقی برتری کو دیکھ کر اپنی صورت کریہہ اور قبیح نظر آتی

رہی ہے اس لیے کبھی توپ وتفنگ کے میدان سجے، تو کبھی اخلاقی برتری نشانہ بنا، اوراس کا پہلا ہدف کا شانۂ نبوتؐ تھا۔ ''واقعۂ اِفک'' ہو(۹) یا ''مسئلہ ایلا وتخییر'' (۱۰) ان واقعات کو بنیاد بنا کر منافقوں اور مستشرقین نے بے جا اعتراضات کیے۔ علامہ شبلی نے ''واقعۂ ایلا وتخییر'' پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''اس قدر عموماً مسلم ہے اور خود قرآن مجید میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج مطہرات کی خاطر سے کوئی چیز اپنے اوپر حرام کر لی تھی۔ اختلاف اس میں ہے کہ وہ کیا چیز تھی؟ بہت سی روایتوں میں ہے کہ وہ ماریہ قبطیہ ایک کنیز تھی۔ جن کو عزیز مصر نے آنحضرتؐ کی خدمت میں تحفتاً بھیجا تھا...... اگر چہ یہ روایتیں بالکل موضوع اور نا قابل ذکر ہیں۔ لیکن چونکہ یورپ کے اکثر مورخوں نے آنحضرتؐ کے معیار اخلاق پر حرف گیریاں کی ہیں، ان کا گل سر سبد یہی ہیں۔ اس لیے ان سے تعرض کرنا ضروری ہے''۔

آگے مولانا نے مفصل بحث کر کے دکھایا ہے کہ یہ تمام روایات سنداً بہت کمزور ہیں، پھر لکھا ہے:

> ''یہ بحث اصول روایت کی بنا پر تھی۔ درایت کا لحاظ کیا جائے تو مطلق کدّ و کاوش کی حاجت نہیں۔ جو رکیک واقعہ ان روایتوں میں بیان کیا گیا ہے اور خصوصاً طبری وغیرہ میں جو جزئیات مذکور ہیں وہ ایک معمولی آدمی کی طرف منسوب نہیں کیے جاسکتے، نہ کہ اس ذات پاکؐ کی طرف جو تقدس ونزاہت کا پیکر تھا''(۱۱)

علامہ شبلی نے سیرت پر یورپین مصنّفین کی تصنیفات کا بھی پورا جائزہ لے کر ان کی تدلیسات، تلبیسات اور تحریفات کی پوری پردہ دری کی اور ان مستشرقین کی تین قسمیں بتا کر ان کو اچھی طرح مجروح کر دیا، ایک قسم تو وہ ہے جو عربی زبان اور اصل ماخذوں سے تو بالکل واقف نہیں، مگر دوسروں کا سرمایۂ معلومات، تصنیفات اور تراجم کا سہارا لے کر اس مشتبہ اور نامکمل مواد کی قیاس اور میلان طبع کے قالب میں ڈھالتے رہتے ہیں، دوسری قسم میں وہ ہیں جو عربی زبان اور اسلامی ادب، تاریخ اور فلسفہ سے ضرور واقف ہیں، اسی واقفیت کی بنا پر شارع الاسلامؐ کے متعلق نہایت

دیدہ دلیری سے جو کچھ چاہتے ہیں رقم کرتے ہیں۔ تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کا حال یہ ہے کہ ع

دیکھتا سب کچھ ہوں لیکن سوجھتا کچھ بھی نہیں

ان کو رد کر کے اپنے حسن عقیدت کے پھول سیکڑوں چمن کدوں سے چُن کر آستانۂ نبوت پر چڑھائے۔ اس کتاب کو قلم بند کرنے میں ان کا عقیدت مندانہ اور والہانہ جذبہ اُن پر ضرور چھایا ہوا ہے لیکن اسی کے ساتھ ان کا انداز مؤرخانہ، محققانہ، محدثانہ اور متکلمانہ بھی ہے، یہ مستشرقین جس استحکام رائے، منطقی استدلال اور تحقیقی امعان نظر سے اپنی کسی بات کو منوانا چاہتے ہیں، علامہ نے اپنے غور وخوض کی قوت، محققانہ تجسس، عالمانہ تجزیہ وتحلیل اور نتائج کے استنباط کرنے میں اپنے غیر معمولی فہم وادراک کو بروئے کار لا کر پوری کتاب قلم بند کر دی ہے، اسی لیے یہ سیرت کی بے مثال کتاب بن گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ترکی اور پشتو، انگریزی، ملیالم اور عربی زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ (۱۲)

مورخین ارباب وسیر ومغازی نے ناگزیر طور پر پیش آنے والے جنگی واقعات کا ذکر اس قدر تفصیل واستقصاء کے ساتھ کیا ہے کہ گویا آپؐ کی زندگی کا مقصد ہی قتال ومحاربہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مخالفین اسلام نے رسول اللہؐ کو ایک جنگ جو، اور حرب وضرب کا دلدادہ قرار دیا ہے۔ اسلام کے تصور جہاد پر مستشرقین نے اعتراض کیا۔ علامہ شبلی نے اس کے جواب میں رسول اللہؐ کا جو مرقع تیار کیا ہے اس سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ آپؐ جنگ جو اور تلوار کے شیدائی نہیں تھے بلکہ رحمۃ العالمین اور امن وسلامتی کے پیغامبر تھے۔ مال غنیمت اور کشور کشائی کے حریص نہیں تھے بلکہ حق وصداقت کے داعی اور منادی تھے۔ آپؐ میں اور دنیا کے عام سپہ سالاروں اور فاتحوں میں کوئی نسبت ہی نہیں۔

علامہ نے سلسلہ غزوات کی بحث کا آغاز جن جملوں سے کیا ہے، وہ ان کے دلکش اسلوب کا شاہ کار اور ادب عالیہ کا نمونہ ہیں:

”کیا عجیب بات ہے۔ ارباب سیر ومغازی کی داستان جس قدر زیادہ دراز نفسی اور بلند آہنگی سے بیان کرتے ہیں، یورپ اسی قدر اس کو زیادہ شوق سے جی لگا کر سنتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ داستاں اور پھیلتی جائے کیوں اس کو اسلام کے جور وستم کا

جو مرقع آراستہ کرنا ہے، اس کے نقش و نگار کے لیے لہو کے چند قطرے نہیں بلکہ چشمہ ہائے خون درکار ہیں۔ یورپ کے تمام مورخوں نے سیرت نبوی کو اس انداز میں لکھا ہے کہ وہ لڑائیوں کا ایک مسلسل سلسلہ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ زبردستی مسلمان بنائے جائیں لیکن یہ خیال چوں کہ واقع میں غلط اور سرتا پا غلط ہے، اس لیے مغازی کی ابتدا سے پہلے ضرورت ہے کہ اس بحث کا فیصلہ کیا جائے''۔ (۱۳)

علامہ شبلی اپنے گل ریز اور عطر بیز قلم سے پیغمبر اور فاتح کا فرق و امتیاز اس طرح بیان کرتے ہیں:

''جہاد کے معرکوں میں گو آپؐ کے ہاتھ میں تیغ و سپر اور جسم مبارک پر خود مغفر ہوتا تھا لیکن اس وقت بھی پیغمبر اور سپہ سالار کا فرق نظر آتا تھا۔ عین اس وقت جبکہ معرکہ کارزار گرم ہے، تیروں کا مینہ برس رہا ہے۔ تمام میدان لالہ زار بن گیا ہے، ہاتھ پاؤں اس طرح کٹ کٹ کر گر رہے ہیں جس طرح موسم خزاں میں پتّے جھڑتے ہیں، دشمن کی فوجیں سیلاب کی طرح بڑھ رہی ہیں۔ عین اسی حالت میں آنحضرتؐ کا دست دعا آسمان کی طرف بلند ہے، جنگ آور باہم نبرد آزما ہیں اور سر مبارک سجدۂ نیاز میں ہے۔ معرکۂ بدر میں حضرت علیؓ، عین شدت جنگ میں تین بار خبر لینے آئے اور ہر دفعہ دیکھا کہ وہ مقدس پیشانی خاک پر ہے، فوجیں تیروں کا مینہ برسا رہی ہیں اور لڑائی کا فیصلہ نہیں ہوتا، فاتح بے سلاح زمین سے مٹھی بھر خاک اُٹھا لیتا ہے اور دشمن کی طرف پھینکتا ہے دفعتاً فوجوں کا بادل پھٹ کر مطلع صاف ہو جاتا ہے''۔ (۱۴)

سیرۃ النبیؐ میں انیسویں اور بیسویں صدی کے مخصوص علمی نظریات و افکار کا اثر نمایاں ہے مزید براں مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقے کے خاص رجحانات بھی، جو سرسیّد کے زیر اثر اور ان کے زمانے میں کسی حد تک مسلّم و مقبول تھے، کتاب پر چھائے ہوئے ہیں۔ بقول سید عبداللہ:

''اسلامی لڑائیوں کا خصوصاً آنحضرت کے غزوات کا مدافعانہ ہونا یہ عقیدہ اس دور میں نہایت راسخ اور محکم تھا۔ شبلی نے اسی کو اصول و اساس بنا کر یہ ثابت کیا

ہے کہ آنحضرتؐ پیغمبر تھے، سپہ سالار نہ تھے اور یہ بھی کہ آپؐ نے جنگ کو، جو بظاہر ایک ظالمانہ کام ہے، اس قدر پاک اور منزہ کر دیا کہ وہ اصل عبادت بن گئی۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ اس کا مقصد ملک گیری نہ ہو بلکہ انسانی ہمدردی اور کمزوروں کی حمایت اس کی غایتِ اصلی ہو‘‘۔ (۱۵)

عرب کی قدیم تاریخ، اس کے اقوام و قبائل، اس کی حکومتوں، اس کے تمدن و تہذیب اور مذاہب وغیرہ کا ذکر کر کے دکھایا ہے کہ اسلام سے پہلے اس کی اور دنیا کی کیا ابتر حالت تھی اور اس کا اقتضا کیا تھا:

’’یہ حالت صرف عرب کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ تمام دنیا میں یہی تاریکی چھائی ہوئی تھی، کیا اس عام ظلمت، اس عالم گیر تیرگی، اس وسیع اور ہمہ گیر تاریکی میں ایک آفتاب عالم تاب کی حاجت نہ تھی‘‘۔ (۱۶)

محمدؐ ایک فلسفی نہیں تھے نہ کسی مدرسے کے مدرس، آپؐ شاعر تھے نہ صوفی بلکہ آپؐ اصل انسانیت اور نئے سماج کے معمار بن کر اُٹھے تھے۔ آپؐ نے ایک نئی صالح دنیا ہمارے لیے پیدا کر دی۔ آپؐ کی سیرت انفرادی سیرت نہیں ہے، آپؐ کا کارنامہ ایک ذات تک محدود کارنامہ نہیں ہے، آپؐ کا مسلک ایک شخص واحد کا نجی مسلک نہیں ہے۔ وہ سیرت ایسی سیرت ہے جو ایک تحریک بن کر ہمارے سامنے آتی ہے۔ وہ کارنامہ ایسا کارنامہ ہے جو سلطنتوں کو فتح کرتی ہوئی ریاست کی صورت میں ملتا ہے، وہ اسوہ اور نمونہ، وہ سنت اور مسلک ایک ایسا فانوس ہے جو ہزاروں آئینوں میں منعکس ہوتا ہوا ہمارے سامنے آتا ہے۔ ایسی منتخب روزگار عملی ہستیوں کے کارناموں کی داستانیں سینکڑوں دماغوں کے اوراق پر لکھی جاتی ہیں اور ہزاروں دلوں کے صفحات پر کندہ ہوتی ہیں۔ نعیم صدیقی مرحوم کے الفاظ میں:

’’ان کی بولی بے شمار زبانیں بولتی ہیں، ان کی چال بے شمار قدم چلتے ہیں، ان کا زاویہ نظر بے شمار آنکھیں اختیار کر لیتی ہیں، ان کے جذبات بے شمار سینوں میں موجزن ہو جاتے ہیں۔ ان کا طرزِ فکر ہزاروں دماغوں میں گھر کر لیتا ہے، ان کی داستانوں کے اوراق وقت کے سارے چمن میں بکھر جاتے ہیں، کسی کو لالہ

اپنے سینے سے لگائے ملتا ہے، کسی کو نرگس آنکھوں پر رکھ لیتی ہے............ان کی سیرت وسوانح اوران کے اسوہ وسنت کو پڑھنے نکلیے تو ان کی ترتیب دی ہوئی جماعت کی کتاب پڑھیے۔ ان کے تعمیر کردہ سماج کا روزنامچہ مطالعہ فرمایئے اور ان کے ملفوظات ومعمولات کو جاکر ان کے دور کی دُور دُور تک پھیلی تاریخ سے برآمد کیجئے۔ وہ سماج اور وہ جماعت اور وہ ریاست ہی ان کے کارنامے کو آگے منتقل کرنے کا اصل جامع ذریعہ ہے جسے ایسے لوگ تعمیر کر کے جاتے ہیں''۔(۱۷)

'فتنۂ انکار حدیث' اپنے دور شباب کو عباسی عہد میں پہنچا جبکہ کوبہ کو مئے ومغاں اور مجلس مجلس رقص ورباب کے دور چلتے تھے۔ لونڈیوں کے لشکر درباروں میں بھرتی کیے جانے لگے، عیسائی اور یہودی خاص اہتمام سے عورتوں کو اپنے کاروباروں اور اداروں میں اور میخانوں میں رکھ کر نوجوانوں خصوصاً شاعروں کو لطفِ زندگی کا درس دیتے اور مسلم معاشرے کی اخلاقی قدروں اور حیادارانہ کلچر کی تباہی کی مہم چلائے ہوئے تھے۔ عباسی دور میں جب یونانی لٹریچر لایا گیا، اس کے ترجمہ سے تحریک عقلیت (Rationalism) نمودار ہوئی۔ اس نے ایک بحث یہ پیدا کردی کہ پیغمبروں اور الہامی کتب ہدایت کے بغیر بھی آدمی اپنی فطرت کے تقاضے اور عقل کی کاوشوں سے ہدایت کی راہ پاسکتا ہے اور اسے آخرت میں خدا کی رضا حاصل ہوسکتی ہے۔ اس نقطۂ نظر نے طبقۂ اہل خرد کے کمزور دینی شعور میں اس رجحان کو ضم کردیا کہ عقل نہ صرف ہدایت کے لیے کافی ہے بلکہ نصوصِ قرآن کی تعبیر کرنے والی بالاتر اتھارٹی ہے اور یہی احادیث کی صحت وعدم صحت کا فیصلہ کرنے والی عدالت کی قاضی بھی ہے۔ تحریک عقلیت ہادم دین اور غارت گر احادیث ثابت ہوئی۔ علامہ شبلی نے منطقی طور پر عقل کی محدودیت اور اس کی بندشوں کو مبرہن کیا۔ رسول اللہؐ کی نبوت ورسالت پر جو عقلی شبہات واعتراضات مغربی مفکرین نے کیے، اُن کی قلعی علامہ شبلی نے اپنی سیرت میں کھول دی۔

ہر دور کے عقل پرست شریعت کے اصولوں کو مسخ کرنے کے لیے ایک طرف سنت سے بغاوت کا آغاز کرتے ہیں، حدیث سے روگردانی کرتے ہیں اور پھر قرآن کی آیات سے اپنی پسند کے مفاہیم کھینچ تان کر نکال لاتے ہیں، ماضی میں معتزلہ کا مزاج بھی یہی تھا اور موجودہ عہد میں

عقلیت کی ہر اصطلاح کا بھی یہی طرز عمل ہے لیکن جب بھی کبھی کوئی فتنہ اٹھا تو اس کے مقابلہ کے لیے امت کا صالح عنصر سینہ سپر ہو کر کھڑا ہو گیا۔ کچھ یہی کام علامہ شبلی کی ''سیرۃ النبیؐ'' نے بھی کیا۔

رسول کریمؐ پر کثرت ازدواج کی وجہ سے مغربی مفکرین نے بے ہودہ الزامات لگائے تو ان کا جواب دیتے ہوئے شبلی لکھتے ہیں:

''رسول اللہؐ نے ۵۳ برس تک حضرت خدیجہؓ کے سوا، جو شادی کے دن ۴۰ برس کی تھیں، کسی سے شادی نہیں کی۔ یہ شباب کا نہیں بلکہ انحطاط کا زمانہ ہے، اس لیے اگر مقصود ہوائے نفس ہوتی تو اس زمانے میں شادیاں کی ہوتیں، جو شادیاں کیں اکثر پولیٹیکل تھیں یعنی ان کے ذریعے بڑے بڑے عرب قبائل سے اتحاد پیدا ہوا اور ان میں اسلام پھیلا''۔

عیسائی متعصب مستشرقین نے حضرت زینبؓ سے آنحضرتؐ کے نکاح کو نہایت آب و رنگ سے لکھا ہے۔ علامہ نے اصل واقعہ کو تفصیل سے لکھ کر دکھایا ہے کہ حضرت زینبؓ سے آپؐ کے نکاح سے جاہلیت کی ایک قدیم رسم مٹ گئی۔ اس پر منافقوں اور بدگویوں نے بہت طعنے دیے۔ علامہ کا تبصرہ رعنائی بیان کا نمونہ ہے، لکھتے ہیں:

'واقعہ کی اصلی اور سادہ حقیقت یہ تھی، مخالفوں نے اس واقعہ کو جس طرح بیان کیا ہے گو سرتاپا کذب وافترا ہے لیکن ہم کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انہوں نے رنگ آرائی کے لیے سیاہی ہمارے ہی ہاں سے مستعار لی ہے''۔(۱۸)

رسول اللہؐ کی بعثت سے فتح مکہ تک صنادید قریش نے آپؐ کے ساتھ سخت ظلم و جور روا رکھا، علامہ نے اہل مکہ کے ساتھ آپؐ کے عفو عام کی یوں تصویر کشی کی ہے:

''خطبہ کے بعد آپؐ نے مجمع کی طرف دیکھا تو جباران قریش سامنے تھے، ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام مٹانے میں سب سے پیش رو تھے اور وہ بھی تھے جن کی زبانیں رسول اللہؐ پر گالیوں کے بادل برسایا کرتی تھیں، وہ بھی تھے جن کے تیغ وسنان نے پیکر قدسیؐ کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں، وہ بھی تھے جنہوں نے آنحضرتؐ کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے، وہ بھی تھے جو وعظ کے

وقت آنحضرتؐ کی ایڑیوں کو لہولہان کر دیا کرتے تھے......وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریت پر لٹا کران کے سینوں پر آتشیں مہریں لگایا کرتے تھے۔ رحمت عالمؐ نے ان کی طرف دیکھا اور خوف انگیز لہجہ میں پوچھا ''تم کو کچھ معلوم ہے، میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں''۔

یہ لوگ اگرچہ ظالم تھے، شقی تھے، بے رحم تھے لیکن مزاج شناس تھے، پکار اٹھے کہ: ''اخ کریم و ابن اخ کریم'' آپ شریف بھائی اور شریف برادر زادہ ہیں۔ ارشاد ہوا: ''لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء'' تم پر کچھ الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو(۱۹)

ارباب سیر کے خیال میں گو آپؐ نے اہل مکہ کو امن عطا کیا تھا لیکن دس شخصوں کی نسبت حکم دیا کہ جہاں ملیں قتل کر دیے جائیں۔ ان میں متعدد ایسے تھے کہ ان کا جرم یہ تھا کہ وہ آپؐ کو مکہ میں ستایا کرتے تھے اور آپؐ کی ہجو میں اشعار کہا کرتے تھے۔ ان میں ایک دریدہ دہن عورت بھی تھی۔ علامہ شبلی کے نزدیک محدثانہ تنقید کی رو سے نہ یہ بیان صحیح ہے اور نہ روایت و درایت کے لحاظ سے یہ بالکل قابل اعتبار ہے۔ درایت کے اعتبار سے واقعہ پر تبصرہ جس مؤثر پیرایہ میں کیا ہے، ملاحظہ ہو:

''اس جرم کا مجرم تو سارا مکہ تھا۔ کفار قریش میں سے کون تھا جس نے آنحضرتؐ کو سخت سے سخت ایذائیں نہیں دیں۔ بہ ایں ہمہ انہی لوگوں کو یہ مژدہ سنایا گیا کہ ''انتم الطلقاء'' جن لوگوں کا قتل بیان کیا جاتا ہے وہ نسبتاً کم درجے کے مجرم تھے۔ حضرت عائشہؓ کی یہ روایت صحاح ستہ میں موجود ہے کہ آنحضرتؐ نے کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا۔ خیبر میں جس یہودی عورت نے آپؐ کو زہر دیا اس کی نسبت لوگوں نے دریافت بھی کیا کہ اس کے قتل کا حکم ہوگا، ارشاد ہوا کہ نہیں، خیبر کے کفرستان میں ایک یہودیہ زہر دے کر رحمت عالمؐ کے طفیل سے جاں بر ہوسکتی ہے، تو حرم میں اس سے کم درجہ کے مجرم عفو نبویؐ سے کیوں کر محروم رہ سکتے ہیں''۔(۲۰)

یوں تو شبلی کی بیشتر تصانیف کو وقت کی گرد ماند نہیں کرسکی ہے لیکن سیرۃ النبیؐ وہ تصنیف ہے جس کی چمک میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا رہا ہے۔ اس شاہکار اور کارنامۂ اعظم کے اسلوب میں سلاست و لطافت بھی ہے، روانی اور رعنائی بھی، شگفتگی، دلکشی بھی ہے، ایجاز و اختصار کا وصف بھی ہے اور استقلال و منطقیت بھی، طنز کی کارفرمائی بھی ہے اور رچا ہوا تاریخی شعور، طرز ادا کی جدّت بھی ہے اور تحریر کی حلاوت بھی۔ اسلوب کی یہی کشش ہے جو دامنِ دل کو کھینچتی ہے کہ جاں ایں جا است۔

حواشی

(۱) Mohammad(P.b.u.h) by Margoloith.Pg.3 (۲) سرسید احمد خان اور ان کے نامور رفقا، ص ۱۳۹۔ (۳) سیرۃ النبیؐ، جلد ا، ص ۱۰۳۔ ۱۰۲۔ (۴) ایضاً، ص ۱۱۹۔ (۵) بحوالہ ایضاً، ص ۱۱۹۔ (۶) ایضاً ص ۲۰۔ ۱۱۹۔ (۷) ایضاً، ۱-۲۔ (۸) سورۃ النور: آیت ۱۰۔ (۹) سورۃ تحریم: آیت نمبر ا۔ (۱۰) سیرۃ النبیؐ، جلد ا، ص ۳۳۵۔ (۱۱) مولانا شبلی پر ایک نظر، ص ۱۲۲ از سید صباح الدین عبدالرحمٰن۔ (۱۲) سیرۃ النبیؐ، جلد اول، ص ۳۰۴۔ (۱۳) ایضاً، (۱۴) سرسید احمد خان اور ان کے نامور رفقا......ص ۱۴۱۔ (۱۵) سیرۃ النبیؐ، اول، ص ۱۲۸۔ (۱۶) رسولؐ اور سنت رسولؐ، ص ۱۹۵۔ (۱۷) سیرۃ النبیؐ، جلد ا، ص ۴۴۳۔ (۱۸) ایضاً، ۵۲۰۔ (۱۹) ایضاً، ۵۲۴۔ (۲۰) History of History by S.M.Jaffer pg.2

سیرت النبیؐ خصوصی ایڈیشن

اخبار علمیہ

''خانۂ کعبہ لائبریری کا افتتاح''

سعودی عرب کے ضلع بطحا قریش میں خانۂ کعبہ لائبریری کا افتتاح گورنر مکہ پرنس خالد الفیصل کے ذریعہ عمل میں آیا۔ یہ تقریب مشہور و معروف امام کعبہ شیخ عبدالرحمٰن السدیس کے زیر اہتمام منعقد کی گئی تھی۔ یہ نئی عمارت ۱۲/ منزلہ ہے۔ ایک منزل دو ہزار چھیاسٹھ مربع میٹر پر مشتمل ہے۔ مردوں کے داخلہ کے لیے تین اور عورتوں کے لیے ایک مخصوص دروازہ ہے، مردوں کے لیے پانچ اور خواتین کے لیے ۲ دارالمطالعے ہیں، ان کے علاوہ شعبۂ مخطوطات بھی ہے جس میں تقریباً ۲۶۸۴ سرکاری دستاویزات ہیں، تقریباً ۲ لاکھ مطبوعہ اوران میں سات ہزار نادر کتابیں ہیں، خاص بات یہ ہے کہ بینائی سے متاثر یا بالکل ہی نابینا افراد کے لیے کتابوں، اخبارات اور قرآنی جلدوں کا انتظام بھی کیا گیا ہے۔

اسی ضمن میں جدہ کے ساحل پر تعمیر کی گئی ''مسجد الرحمٰن'' کے متعلق یہ خبر بھی دلچسپی سے پڑھی جائے گی جس کو مسجد فاطمۃ الزہرا کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، یہ ۱۹۸۵ء میں بنائی گئی تھی۔ ۲ ہزار چارسو مربع میٹر پر مشتمل اس مسجد کا شماران مساجد میں ہوتا ہے۔ جہاں پوری دنیا بالخصوص مغربی ایشیا کے عام مسلمان اور حج و عمرہ کرنے والے حجاج کرام سب سے زیادہ جاتے ہیں، یہ مسجد قدیم و جدید اسلامی فن تعمیر کا عمدہ نمونہ ہے، پرکشش ساز و سامان، آواز اور روشنی کے جدید ٹیکنکل نظام کے لحاظ سے بھی اس مسجد کا جواب نہیں، اس میں ۵۲ گنبد ہیں، اس کے علاوہ اس کا مرکزی بڑا گنبد آٹھ معاون ستونوں پر مشتمل ہے، الگ سے ۲۳ چھتریاں ہیں جن کے اندرو باہر کے حصوں میں قرآنی آیات مرقوم ہیں، عورتوں کے لیے خاص طور سے طہارت خانے اور نماز کے لیے آرام دہ کمرے بنائے گئے ہیں۔ طلوع و غروب آفتاب کے وقت کا منظر دیکھنے کے لیے نمازی اور عام زائرین خاص طور پر اس مسجد کا رخ کرتے ہیں۔ سمندر سے گھرے ہونے کے سبب اس کو تیرتی ہوئی مسجد کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ (ینگ مسلم ڈائجسٹ (انگریزی ماہنامہ فروری ۲۰۱۹ء، ص ۳۹) فروری ۲۰۱۹ء، ص ۳۹)

’’پودوں کی علاقائی زبانوں اور بعض دوسری صلاحیتوں کا انکشاف‘‘

بعض ماہرین نباتیات کی یہ تحقیق سامنے آئی ہے کہ پودے اپنے اردگرد کی چیزوں کو سونگھنے اور دوسرے پڑوسی پودوں کو کسی خطرے سے خبردار کرنے کے لیے مواصلات کے پیچیدہ نظام کو بروئے کار لانے ،فیصلہ کرنے اور اطلاعات کو یاد کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ،بعض ماہرین کو ایسی شہادتیں بھی ملی ہیں جن سے پتہ چلا ہے کہ پودے ہوا میں خوشبو بکھیر کر دوسرے بڑے پودوں سے اطلاعات کا تبادلہ کرتے ہیں اور پڑوسی پودے خوشبوؤں میں پوشیدہ پیغام کو سمجھ کر اپنے دفاع میں اقدام کرتے ہیں ۔مثال کے طور پر ایک سنڈی ایک پودے کے پتے کو کھا رہی ہے تو وہ پودا ایسی مہک چھوڑے گا جسے سمجھ کر پڑوسی پودے اپنے دفاع میں ایسی بو چھوڑیں گے جس سے سنڈی اس کی طرف نہ آئے ۔ان کی اس صلاحیت کا انکشاف یونیورسٹی آف کیلیفورنیا کے پروفیسر ڈیوس کاربن کو اس وقت ہوا جب وہ خوشبو دار جھاڑیوں ساج برش پر تحقیق کر رہے تھے کہ یہ پودے اپنے پڑوسی پودوں کے ساتھ اچھے انداز میں اطلاعات کا تبادلہ کر سکتے ہیں ۔ایک تجربہ میں یہ بھی پتہ چلا کہ جنوبی ساج برش شمالی کزن کی طرف سے بھیجے جانے والے اشاروں کو اتنا زیادہ نہیں سمجھ پا رہے تھے جتنی آسانی سے جنوبی کزن کے اشاروں کو سمجھ رہے تھے ۔ پروفیسر کاربن اور ان کی ٹیم یہ تصدیق کرنے میں کامیاب ہوگئی کہ جنوبی اور شمالی ساج برش جھاڑیوں کی گفتگو مختلف نہ تھی لیکن ان کی زبان مختلف تھی ۔(سیاست حیدر آباد ،ص ۱۰، ۷ مارچ ۲۰۱۹ء)

’’چھٹی حس کی سائنسی تصدیق‘‘

برطانوی اخبار’’ دی مرر‘‘ کی رپورٹ کے مطابق نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہیلتھ کے سائنس دانوں نے چھٹی حس کی موجودگی کی تصدیق کی ہے ، اس تحقیق سے وابستہ ڈاکٹر کارسٹن بان نے بتایا کہ دو نوعمر لڑکوں پر کی جانے والی تحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان میں حواس خمسہ یعنی دیکھنے، سننے ،چکھنے ،سونگھنے اور چھونے کے علاوہ بھی ایک حس پائی جاتی ہے ۔ یہ دونوں لڑکے ایک حیرت انگیز بیماری میں مبتلا ہیں ،جس کی وجہ سے وہ دیکھے بغیر اپنے ہی جسم کی موجودگی کا احساس نہیں کر پاتے ، ڈاکٹر بان نے بتایا کہ جب ان لڑکوں کی آنکھوں پر پٹی باندھی گئی تو انہیں معلوم نہیں تھا کہ ان کی

ٹانگیں کہاں ہیں؟ اور بازو کہاں ہیں؟ تاہم چھٹی حس کی مدد سے بعض کام انجام دینے میں کامیاب رہے، مثلاً میز پر پڑا گلاس اٹھالیا۔ جب لڑکوں کی آنکھوں پر پٹی باندھی گئی تو وہ چلنے کے قابل بھی نہیں تھے کیوں کہ انہیں اپنے پیروں کی موجودگی کا احساس نہیں تھا اس کے باوجود وہ چھٹی حس سے کام لے کر بتائی گئی جگہ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے، سائنس دانوں نے اس تجربہ کی بنیاد پر چھٹی حس کی موجودگی کی تصدیق کی ہے۔ (منصف حیدرآباد، ۲۶ مارچ ۲۰۱۹ء، ص ۱۰)

''ہوائی جہاز کے بازوؤں میں تبدیلی کا تصور''

امریکی ادارہ ناسا اور میساچیوسٹس انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی کے ماہرین نے مشترکہ طور پر ہوائی جہازوں کے بازوؤں میں ایسی تبدیلی کا تصور پیش کیا ہے جو طیارہ سازی اور پرواز کے عمل کو یکسر تبدیل کردے گا، نئے ڈیزائن کے تحت طیارے کو مکعب نما ساختوں سے جوڑ کر تیار کیا جائے گا جو انتہائی مضبوط اور کم وزن ہوں گے۔ چھوٹے ٹکڑوں کو جگسا پزل کی طرح جوڑ کر ان کے اوپر خاص پولیمر چڑھایا جائے گا، اس طرح سے تشکیل پانے والے بازو حسب ضرورت اپنی ہیئت تبدیل کرسکیں گے۔ اڑان بھرنے اور اترنے کے وقت جہاز کی کیفیت و رفتار مختلف ہوتی ہے۔ اس ضمن میں یہ نئے بازو پرواز کو بہتر اور موثر بنانے کے مقصد سے ضرورت کے مطابق خود کو تبدیل کرسکیں گے، اس تصور کی افادیت کے متعلق دونوں اداروں کے سائنس دانوں نے کہا ہے کہ ایک نشست والے چھوٹے طیارے پر بازوؤں کی ٹیکنالوجی کی آزمائش کی گئی ہے، نتائج حسب توقع سامنے آئے۔ اس کے علاوہ ایسے بازوؤں کی تیاری کا مکمل طریقہ بھی وضع کیا گیا جو اس تصور کو حقیقت کے مزید قریب کرتا ہے۔ اسی ڈیزائن کو خلائی سواریوں کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ یہ تحقیق ''اسمارٹ مٹیریلز'' نامی جرنل میں شائع ہوئی ہے۔ (بحوالہ انقلاب، وارانسی ۴/ اپریل ۲۰۱۹ء، ص ۱۱)

ک۔ص۔ اصلاحی

باب التقریظ والانتقاد

مکتوباتِ امام ربّانی کی جدید محقق اشاعت

(استنبول ۲۰۱۸ء)

ڈاکٹر عارف نوشاہی

(۱)

شیخ احمد سرہندی مجدّد الف ثانی (۹۷۱-۱۰۳۴ھ/ ۱۵۶۴-۱۶۲۴ء) کے خطوط، جو تصوّف کی دنیا میں مکتوبات امام ربّانی نام سے پہچانے جاتے ہیں، مزید کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ یہ خطوط، زیادہ تر فارسی اور چند ایک عربی زبان میں ہیں اور انھیں حضرت مجدّد کے خلفا نے ان کے حین حیات ہی حسب ذیل ترتیب کے ساتھ، تین دفاتر (جلدوں) میں جمع اور مرتّب کر دیا تھا:

۱۔ دفتر اول موسوم بہ درّ المعرفت، جامع یار محمد جدید بدخشی طالقانی، بسال ۱۰۲۵ھ، مشتمل بر ۳۱۳ مکتوبات۔

۲۔ دفتر دوم موسوم بہ نور الخلایق، جامع عبدالحیّ حصاری، بسال ۱۰۲۸ھ، مشتمل بر ۹۹ مکتوبات۔

۳۔ دفتر سوم موسوم بہ معرفۃ الحقایق، جامع محمد ہاشم کشمی، بسال ۱۰۳۱ھ، مشتمل بر ۱۱۴ مکتوبات۔

چیدہ چیدہ مکتوبات کی قلمی نقلیں حضرت مجدّد کے زمانے ہی میں ضرورت مندوں تک پہنچنا شروع ہو گئیں تھیں۔ بعد میں جب یہ مکتوبات تین جلدوں میں مرتّب ہو گئے تو مکمل متن کی قلمی نقلیں بھی تیار ہونے لگیں جو اب دنیا بھر کے کتب خانوں میں دستیاب ہیں۔ جب ہندوستان میں چھپائی (طباعت) کی صنعت آ گئی تو مکتوبات طبع ہو کر عام ہوئے۔ پہلی بار یہ ۱۲۸۸ھ/ ۱۸۷۱ء میں مطبع احمدی، دہلی سے باہتمام شیر محمد خان بن غلام محمد خان جھجری مالک مطبع احمدی، تین جلدوں میں شائع ہوئے۔ دوسری اشاعت ۱۲۹۰ھ/ ۱۸۷۳ء میں مطبع مرتضوی، دہلی سے حافظ حاجی عزیز الدین احمد مالک مطبع مرتضوی کے اہتمام سے ہوئی۔ منشی نول کشور نے بھی اپنے مطابع لکھنو/ کان پور سے مکتوبات

☆ ادارۂ معارف نوشاہیہ، اسلام آباد۔

کی کئی اشاعتیں کیں۔اس مطبع سے ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء میں مکتوبات تیسری بار شائع ہوئے۔ ۱۳۲۴ھ/ جولائی ۱۹۰۶ء کی اشاعت پر ''بارِ ہشتم'' لکھا ہوا ہے۔اس کے بعد بھی دیگر ناشروں کے ہاں سے اشاعت ہوتی رہی۔ چند اشاعتیں ہندوستان سے باہر بھی ہوئی ہیں۔ ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں مطبع پورصوف، تاشقند (ازبکستان) سے بہ اہتمام حاجی عبداللہ بن حاجی اسد اللہ اور ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء میں زاہدان (ایران) سے بہ تصحیح و تعلیق محمد ایوب گنجی شائع ہوئے۔

مکتوبات امام ربّانی کی مذکورہ ہندوستانی و غیر ہندوستانی اشاعتیں سب روائتی قسم کی اور غیر محقق ہیں۔اس سے ہٹ کر، آج سے تقریباً ایک صدی قبل، مولانا نور احمد پسروری ثم امرتسری (وفات: ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۳۰ء) نے مکتوبات کی تصحیح و تدوین کا بیڑہ اٹھایا اور ۱۳۲۷ تا ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۰۹ تا ۱۹۱۶ء مطبع مجدّدی، امرتسر سے ہر دفتر کو متعدد حصوں میں تقسیم کر کے، جہازی سائز میں بتدریج شائع کیا۔ مولانا کی یہ اشاعت بے حد مقبول ہوئی اور اس نے سابقہ تمام اشاعتوں پر خط تنسیخ کھینچ دیا۔اس اشاعت کا اعتبار اب تک قائم ہے۔اس میں مولانا نے تحقیق کے تمام اصولوں کو مدّنظر رکھا ہے۔ چنانچہ متن کو قدیم نسخے پر استوار کر کے اس کا بقیہ نسخوں سے تقابل کیا اور اختلافات حاشیے پر درج کیے؛ آیات و احادیث کی تخریج کی اور حاشیے میں ان کا فارسی ترجمہ بھی لکھا؛ مشکل الفاظ کی فرہنگ لکھی؛ عربی مکتوبات اور فارسی مکتوبات میں در آئی عربی عبارات کا فارسی ترجمہ کیا؛ اگر مکتوبات کی کسی عبارت سے عقائد کے لحاظ سے غلط فہمی پھیلنے کا اندیشہ تھا تو حاشیے میں اپنی طرف سے وضاحت لکھ کر اس اندیشے کا سدّ باب کیا؛ عربی عبارات پر اعراب لگائے؛ جن افراد کا ذکر مکتوبات میں آیا ہے ان کے مختصر حالات زندگی جستجو کر کے حاشیے میں لکھے۔غرض یہ کہ مولانا نور احمد نے اپنے زمانے میں دستیاب وسائل اور اپنی مقدرت کے مطابق مکتوبات امام ربّانی کا ایک عمدہ ایڈیشن تیار کیا جس کی بعد میں ترکی اور پاکستان سے کئی بار عکسی اشاعتیں ہو چکی ہیں۔تاہم سو سال پہلے ہونے والی اس اشاعت کا انداز قدیم ہے۔ دستی کتابت، حاشیہ در حاشیہ وضاحتیں اور بین السطور فرہنگِ الفاظ، یہ انداز اب تدوین اور طباعت کے جدید رجحانات سے لگّا نہیں کھاتا اور کمپیوٹر اور ڈیجیٹل عہد کا قاری ایک صدی پہلے کے انداز کتابت و طباعت سے قطعاً مانوس نہیں ہے۔ضرورت تھی کہ مولانا نور احمد کے ایڈیشن کی نئے تقاضوں کے مطابق تجدید اشاعت کی جائے یا مکتوبات امام ربّانی پر از سرِ نو کام کیا جائے۔

(۲)

نومبر ۲۰۱۳ء میں استنبول میں عزیز محمود ہدائی وقف کے زیر اہتمام ''بین الاقوامی امام ربّانی سمپوزیم'' منعقد ہوا جس میں راقم السطور نے بھی شرکت کی اور ایک مقالہ ''مکتوبات امام ربّانی کی جدید تنقیدی اشاعت کی ضرورت'' عنوان کے تحت پیش کیا۔ مقالے میں دی گئی تجویز کو نہ صرف سمپوزیم میں پذیرائی ملی اور اسے اعلامیے میں شامل کیا گیا بلکہ بعد میں عزیز محمود ہدائی وقف استنبول نے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی ذمہ داری بھی مجھی کو سونپ دی!

میں نے فروری ۲۰۱۴ء میں اس منصوبے پر مرحلہ وار کام شروع کیا اور پاکستان کے علاوہ، دیگر ممالک سے مکتوبات امام ربّانی کے قدیم نسخوں کے کوائف اور مطلوب نسخوں کے عکسیات حاصل کرنا شروع کیے۔ چنانچہ حسب ذیل نسخے بصورت عکس حاصل ہوئے:

۱۔ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، شمارہ ۱۴۹۵، تاریخ ۱۰۵۶ھ۔ (صرف دفتر دوم)

۲۔ ابوریحان بیرونی انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل سٹڈیز، تاشقند، نسخہ ۱۴۹۹، تاریخ ۱۰۸۰ھ۔ یہ نسخہ ڈاکٹر نجدت طوسون صاحب نے فراہم کیا۔

۳۔ آفتاب کلیکشن، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، شمارہ ۳/ ۱۴اف تصوف، تاریخ ۱۱۳۸ھ۔ یہ نسخہ ڈاکٹر عطا خورشید صاحب نے مہیا کیا۔

الف: متن: پہلے مرحلے میں مکتوبات کا متن کمپیوٹر سے ورڈ (Word) پروگرام میں کمپوزنگ کیا گیا۔ اس کی بنیاد مولانا نور احمد کا تدوین کردہ متن (اشاعت امرتسر، ۱۹۰۹ تا ۱۹۱۶ء) ہے۔ ہم نے مولانا کا صرف متن لیا، ان کے حواشی، تعلیقات اور فرہنگ الفاظ کو شامل نہیں کیا۔ دوسرے مرحلے میں ٹائپ شدہ متن کا مذکورہ بالا مخطوطات سے تقابل کر کے ضروری اختلافات پاورقی میں منتقل کیے گئے۔ تقابل کے عمل میں بعض مقامات پر مولانا نور احمد کے مرتّبہ متن میں کہیں کہیں تسامحات بھی نظر آئے جن کی اصلاح کر دی گئی اور متن میں درست لفظ/ جُملہ اختیار کیا گیا۔ متن کی اس تیاری میں فنی تدوین کے نقطۂ نظر سے بھی کئی چیزوں کا لحاظ رکھا گیا، جیسے غریب عربی الفاظ اور عربی عبارات پر اعراب لگانا؛ طویل عبارتوں کی اس طرح پیرابندی کرنا کہ موضوع کی تفکیک ہو جائے؛ رموز اوقاف کا لحاظ رکھنا، وغیرہ۔

ب: اشاریہ سازی: جب ہر لحاظ سے مکتوبات کی تینوں جلدوں کا متن تیار ہو گیا تو اس کے مختلف اشاریے تیار کیے گئے۔ جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ احادیث نبوی اور بعض اقوال مشائخ بزبان عربی، ماخذ کے ذکر کے ساتھ؛

۲۔ عربی اشعار کی تخریج، ماخذ کے ذکر کے ساتھ؛

۳۔ فارسی اشعار کی تخریج، ماخذ کے ذکر کے ساتھ؛

۴۔ دینی، کلامی، فلسفی، عرفانی اور اخلاقی اصطلاحات اور مفاہیم؛

۵۔ دینی، عرفانی، کلامی، معاشرتی طبقات، اقوام، پیشہ ور، مناصب اور روحانی مراتب؛

۶۔ اشخاص اور فرشتے؛

۷۔ مقامات (آبادیاں، دریا، خانقاہیں، قلعے، پہاڑ، مساجد)؛

۸۔ رسائل، کتب، مکتوبات؛

۹۔ مکتوب الیہم کے اسماء بترتیب حروف تہجی؛

۱۰۔ چند مقامی (ہندی یا مہند) الفاظ کی فرہنگ

ان اشاریوں کی خصوصیت یہ ہے کہ صفحات کی بجائے، مکتوبات کے دفتر (جلد) اور مکتوب نمبر پر مبنی ہے۔ اس طرح یہ تمام اشاریے مکتوبات کے کسی بھی قدیم و جدید یا مستقبل کے ایڈیشن کے لیے کارآمد ہو سکتے ہیں۔

ج: مقدمہ اور تعلیقات: مکتوبات کے تیار شدہ متن کو علمی انداز میں پیش کرنے کے لیے علمی مقدمہ اور تعلیقات کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کام کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ پہلے حصے میں راقم السطور نے ''پیش گفتار'' تحریر کیا جو مندرجہ ذیل موضوعات کا احاطہ کرتا ہے:

مکتوبات امام ربّانی کے موجودہ ایڈیشن کی تیاری کی روداد؛

مکتوبات امام ربّانی کی تدوین کی روداد؛

مکتوبات امام ربّانی کے مخطوطات اور مآخذ کا جائزہ (مختلف ممالک کے حوالے سے)؛

مکتوبات امام ربّانی کی سابقہ اشاعتوں کی تفصیل؛

مولانا نور احمد پسروری امرتسری کے حالات زندگی؛

نور احمد امرتسری کی دیگر علمی مساعی؛

نور احمد امرتسری کی مکتوبات امام ربّانی کی تدوین کے لیے کاوشیں۔

دوسرے حصّے میں پروفیسر محمد اقبال مجدّدی کا مبسوط ''مقدمہ'' شامل ہے۔(اصل میں یہ تحریر اردو میں لکھی گئی تھی جسے راقم السطور نے فارسی میں ترجمہ کیا ہے)۔اس مقدمہ کے مندرجات حسب ذیل ہیں:

دسویں اور گیارہویں صدی ہجری میں برّصغیر کے سیاسی اور مذہبی حالات؛

امام ربّانی شیخ احمد سرہندی کے حالات زندگی؛

مکتوبات امام ربّانی کے جامعین کے حالات زندگی۔

مکتوبات امام ربّانی کیسے جمع ہوئے؟

مکتوبات امام ربّانی کے حوالے سے ہونے والے کام کا جائزہ (تراجم، شروح، حضرات مجدّدیہ کی تفہیم مکتوبات کے لیے کوششیں، متفرق کتابیں متعلقہ مکتوبات، مکتوبات کی تخریج پر مبنی کتب فہارس اور اشاریے، حضرت مجدّد الف ثانی کے ردّ اور دفاع میں لکھی جانے والی کتب)

اس کے بعد ''تراجم'' عنوان کے تحت پروفیسر محمد اقبال مجدّدی کا ایک اور طویل مقالہ ہے جس میں ان لوگوں کے حالات زندگی (بترتیب حروف تہجی) جمع کیے گئے ہیں جنھیں حضرت مجدّد نے خطوط لکھے تھے۔(مجدّدی صاحب کی یہ تحریر بھی اردو میں تھی جسے راقم السطور نے فارسی میں ترجمہ کیا ہے)

مکتوبات امام ربّانی کا جو منصوبہ ۲۰۱۴ء میں شروع ہوا تھا، وہ ۲۰۱۷ء میں ہر لحاظ سے مکمل ہو گیا اور اسے طباعت و اشاعت کے لیے عزیز محمود ہدائی وقف، استنبول کے حوالے کر دیا گیا۔ جسے ۲۰۱۸ء کے اواخر میں ارقم پبلی کیشنز (ERKAM YAYINLARI) استنبول نے نہایت نفیس کاغذ پر، خوب صورت پختہ جلد کے ساتھ چار جلدوں میں شائع کر دیا ہے۔ان جلدوں کی ترتیب اس طرح ہے:

جلد اول: مکتوبات دفتر اول، اس جلد کو ضخامت کے پیش نظر دو حصوں میں چھاپا گیا ہے۔ پہلے حصے میں مکتوبات ۱ تا ۲۰۰ اور دوسرے حصے میں مکتوبات ۲۰۱ تا ۳۱۳، مع عرضداشت ہائے خواجہ محمد صادق و ترجمۂ فارسی مکتوباتِ عربی، ۶۰+ ۱۰۰۳ صفحات؛

جلد دوم: مکتوبات دفتر دوم، ۲۱+ ۴۱۱ صفحات؛

جلد سوم: مکتوبات دفتر سوم، ۲۱+۴۹۸ صفحات؛

جلد چہارم: پیش گفتار، مقدمہ، تراجم، اشاریہ، تصاویر، ۵۶۱ صفحات۔

دو ہزار پانچ سو پچھتر (۲۵۷۵) صفحات پر پھیلا ہوا یہ تمام کام فارسی زبان میں انجام دیا گیا ہے۔ جو خصوصیات مکتوبات امام ربّانی استنبول اشاعت ۲۰۱۸ء کو مکتوبات کی سابقہ اشاعتوں سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہیں:

صحت متن کا اہتمام، ایسے اقدم مخطوطات کے استعمال کے ذریعے جو اس سے پہلے استعمال میں نہیں آئے تھے؛

مکتوبات کی چوتھی جلد کے مشمولات اور مباحث تازہ کاری کی مثال ہیں اور پہلی بار علمی دنیا کو پیش کیے گئے ہیں۔ بالخصوص فارسی خوان حلقہ ان سے پہلی بار واقف ہوا ہے۔ اس سے پہلے مکتوبات کے مکتوب الیہم پر کام نہیں ہوا تھا، اس اشاعت میں یہ کام ایک ایسے محقق (محمد اقبال مجدّدی) نے انجام دیا ہے جس کا تخصص رجال مجدّدیہ ہے۔ حضرت مجدّد کے مکتوبات میں جا بجا عربی و فارسی اشعار آئے ہیں۔ یہ کلام کس کا ہے اور ان کا مآخذ کیا ہے؟ اس پر پہلے کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ موجودہ اشاعت میں نہ صرف ان اشعار کے شعرا کا سراغ لگایا گیا ہے بلکہ ان شعرا کے دواوین سے اختلاف متن بھی دیا گیا ہے۔

زیر بحث اشاعت کی ظاہری خوب صورتی (کمپوزنگ، سیٹنگ، جلد، کاغذ) پورے کام کو پُرکشش بنائے ہوئے ہے جو اس سے پہلے مکتوبات امام ربانی کی کسی اشاعت کو نصیب نہیں ہوئی۔

''مکتوبات امام ربانی، بہ کوشش عارف نوشاہی'' کے پورے منصوبے میں کئی احباب کی معاونت شامل حال رہی۔ مکتوبات کی کمپوزنگ، صفحہ بندی، تخریج احادیث اور بذریعہ کمپیوٹر اشاریہ سازی کا کام اظہار القدوس نوشاہی صاحب نے انجام دیا۔ عربی عبارتیں اور ان کے اعراب ایک شامی دوست ڈاکٹر محمد عبدالمجید نے ملاحظہ کیے۔ محمد اقبال مجددی صاحب کے حصے کے کام کا ذکر ہو ہی چکا۔ اس طرح مکتوبات کی یہ اشاعت اب اہل علم کے استفادہ کے لیے دستیاب ہے۔ ترکی میں ناشر سے اس پتے پر رابطہ کیا جا سکتا ہے:

www.kampanyakitaplari.com, www.erkamyayinlari.com

فون نمبر: (90+212) 6710700 فیکس نمبر: 6710748 (90+212)

آثار علمیہ و تاریخیہ

حفاظت اسلام سے متعلق علامہ شبلی کا ایک غیر مدون مراسلہ اور ایک اشتہار

اشتیاق احمد ظلی

علامہ شبلی نے تصنیف و تالیف اور تعلیم کی توسیع کے علاوہ جو عظیم الشان ملی خدمات انجام دیں ان میں حفاظت و اشاعت اسلام کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ وہ دراصل دینی تعلیم کا ایک اہم مقصد حفاظت و اشاعت اسلام ہی کو سمجھتے تھے۔ چنانچہ اسی مقصد کو زیادہ بہتر طور پر حاصل کرنے کے لیے انہوں نے ندوہ میں انگریزی کے علاوہ بھاشا اور سنسکرت کی تعلیم کا بھی انتظام کیا۔(۱) آج ایک صدی سے زیادہ گزر جانے کے بعد انگریزی اور ہندی تو حالات کے دباؤ میں مدارس میں نصاب کا حصہ بن چکی ہیں، لیکن سنسکرت کہیں بھی شامل نصاب نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آریا سماج کی کوششوں کے نتیجہ میں برپا ہونے والے فتنہ ارتداد سے برصغیر میں اسلام کو جو سخت خطرہ لاحق تھا اس کے مضمرات کا ان سے بہتر ادراک کوئی اور نہیں کر سکا اور نہ ہی اس کے سدّ باب کے لیے ایسی بے چینی اور تڑپ کہیں اور نظر آتی ہے۔ اس کے لیے انہوں نے ایک وسیع تحریک برپا کی جو ان کی ندوہ سے علاحدگی، بیماری اور انتقال کی وجہ سے پوری طرح بروئے کار نہیں آسکی۔ ندوہ نے ابتدا ہی سے حفاظت و اشاعت اسلام کو اپنے مقاصد میں شامل کیا تھا اور اس شعبہ کے ذمہ دار بھی مقرر کر دیے تھے۔ پہلے مولانا خلیل الرحمٰن صاحب اور ان کے بعد مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی کا اس شعبہ کے معتمد کی حیثیت سے تقرر ہوا تھا لیکن اس سلسلہ میں کوئی قابل ذکر پیش رفت نہیں ہوئی (۲) اگر چہ اس محاذ پر حالات تیزی سے بگڑتے جا رہے تھے۔ پوری صورت حال کو دیکھتے ہوئے علامہ شبلی نے یہ مناسب خیال کیا کہ دہلی میں مولانا عبدالحق حقانی کی قائم کردہ انجمن ہدایت الاسلام کو وسعت دی جائے اور اسی کو مرکز بنا کر اس میدان میں کام کرنے والی تمام انجمنوں کا اس سے الحاق کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ایک مضمون بھی لکھا جس میں اس خیال کا اظہار کیا (۳) لیکن بدقسمتی سے یہ منصوبہ بھی پورا نہ ہو سکا۔

اس محاذ پر حالات جس تیزی سے بگڑ رہے تھے اس کا تقاضا تھا کہ اس سلسلہ میں فوری اقدام کیا جائے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ ندوہ میں اس شعبہ کے معتمد مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواری تھے۔ ان کی طرف سے اس مسئلہ میں کسی دلچسپی کا اظہار نہیں ہو رہا تھا لیکن اگر کوئی اور اس کام کو کرنا چاہتا تو اسے ان کے معاملات اور دائرہ اختیار میں دخل اندازی پر محمول کیا جاتا۔ لیکن مسئلہ کی نزاکت ایسے مرحلہ میں داخل ہوچکی تھی کہ مزید تاخیر سخت مضر ثابت ہوتی۔ خاص طور سے شاہجہاں پور کے نہایت دردناک واقعہ ارتداد نے ان مصالح کو نظر انداز کرنے پر مجبور کر دیا (۴) اس سلسلہ میں ان کے جذبات کا اندازہ اس واقعہ پر ان کے ردّعمل سے لگایا جاسکتا ہے۔ لکھتے ہیں:

''کیا یہ واقعات آپ کے کانوں میں پڑے ہیں، اگر نہیں پڑے ہیں تو آپ کی بے خبری کی داد دینی چاہیے۔ اگر پڑے ہیں تو آپ کا دل جل نہیں جاتا، پھک نہیں جاتا، کڑھ نہیں جاتا؟ اس سے زیادہ کیا بے حمیتی ہوگی؟ کیا یہ باتیں ایسی ہیں کہ ان سے چشم پوشی کی جائے''۔ (۵)

اس نہایت اہم فریضہ سے عہدہ برآ ہونے کے لیے علامہ شبلی وقتی اور عارضی تدبیروں کو کافی نہیں سمجھتے تھے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ کے الفاظ میں: ''ان کے نزدیک صحیح صورت یہ تھی کہ ان آریوں کے مقابلہ کے لیے ایسے جفاکش، ایثار پسند اور مخلص علماء کا گروہ پیدا کیا جائے جو بھاشا میں بات کر سکے اور سنسکرت سے تھوڑی واقفیت رکھے۔ یہ لوگ دیہاتوں میں جا کر پھیل جائیں اور اطراف میں اپنے مستقل تعلیمی مراکز قائم کرلیں۔ آریوں کے گروکل کے مقابلہ کے لیے اپنے یہاں بھی اسی قسم کی تربیت گاہ کو ضروری سمجھتے تھے'' (۶) چنانچہ ایک طرف تو انہوں نے خدام الدین کی جماعت قائم کی جس کا مطمح نظر مبلغین کی ایک ایسی جماعت تیار کرنا تھا جو ''مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ سادہ زندگی بسر کر سکے، اس میں ایثار، قناعت اور جفاکشی کا مادہ ہو۔ اس کے بغیر آریوں کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا تھا'' (۷) دوسری طرف اس مقصد کے حصول کے لیے ایک مفصل نقشہ کار تیار کیا، متاثرہ علاقوں سے ضروری معلومات اکٹھا کرنے کے لیے بڑے پیمانے پر واعظین اور انسپکٹروں کی تقرری کا منصوبہ بنایا، حالانکہ اس وقت ان کی مصروفیات کی حالت یہ تھی کہ مولانا سید سلیمان ندوی کے بقول ''وقف اولاد کی تحریک پورے شباب پر تھی اور اس کا سارا بوجھ مولانا کے کندھوں پر تھا، تصحیح اغلاط کے کام کی نگرانی، سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصنیف کا خیال جس کو خود اشاعت اسلام نے پیدا کیا تھا، خدام الدین کی تربیت، اشاعت اسلام کے لیے دورے، جرجی زیدان کی تمدن اسلامی کی تردید، اردو ورنیکلر اسکیم کی مخالفت، سید رضا مصری کی

آمد کی تیاری اور لکھنؤ میں آئندہ جلسہ کی تدبیر لیکن اس زمانہ میں اشاعت اسلام کا خیال تھا جو ہر طرح ان کے اوپر چھایا ہوا تھا اور اسی کے لیے یہ سب تھا'' (۸) ان میں سے ہر کام پوری توجہ کا طالب تھا لیکن علامہ شبلی اپنی خراب صحت اور پاؤں سے معذوری کے باوجود تن تنہا ان سب کے تقاضے پورے کررہے تھے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ سب کام ندوہ کے وسیع تر مشن کا حصہ تھے اور ان میں سے بعض تو اس کے طے شدہ پروگرام کا حصہ تھے جیسے اشاعت وحفاظت اسلام لیکن اس محاذ پر بھی جو صورت حال تھی اس کا اندازہ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کے نام علامہ شبلی کے خط کے اس اقتباس سے لگایئے: ''لطف یہ ہے کہ ادھر شاہ سلیمان صاحب نہ کچھ کرتے ہیں نہ مجھ کو اجازت دیتے ہیں کہ میں باقاعدہ کام کروں، مجبور ہوکر ندوہ کے دائرہ سے باہر نکل کر کام کرنا پڑے گا''۔(۹)

ندوہ میں تقسیم عمل کے اصول پر جو الگ الگ تین شعبے قائم کیے گئے تھے ان کے بارے میں مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں: ''اس تقسیم عمل سے ندوہ کے دفتری کام کا تو انتظام ہوگیا مگر ندوہ کے اصل مقاصد کی تکمیل اور اس کے ذریعہ سے اہم اصلاحات اور قومی اور مذہبی مطالب کے لیے سعی وکوشش کا کام ان میں سے کسی بھی فہرست میں داخل نہیں ہوا۔ دوسرے اصحاب اپنی اپنی ذاتی مصروفیتیں بھی رکھتے تھے اور مولانا کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے ہر ذاتی کاروبار سے بے پروا ہوکر ندوہ کے آستانے پر آبیٹھے تھے اور ندوہ ہی کے کام کو اپنی زندگی کا کام بنالیا تھا اور اس لیے وہ ان کاموں کو بھی کردینا چاہتے تھے لیکن دوسرے لوگ اس کو اپنے حدود وفرائض سے تجاوز اور دوسرے کے کاموں میں مداخلت سے تعبیر کرتے تھے''۔(۱۰)

ان حالات میں اور ان مشکلات اور مسائل کے باوجود انھوں نے ندوہ کے لیے اور ندوہ میں رہتے ہوئے دین وملت کے لیے جو کچھ کیا وہ حیرت انگیز ہے۔ سخت حیرت ہوتی ہے کہ ایسے نامساعد حالات میں ان کے ہاتھوں ایسے عظیم الشان کام کیونکر انجام پائے۔ اشاعت وحفاظت اسلام کے میدان میں جو کام انھوں نے انجام دیا وہ انہی غیر معمولی خدمات کا ایک حصہ ہے۔ بڑی حسرت سے یہ خیال ذہن میں آتا ہے کہ اگر ندوہ میں ان کو سازگار ماحول میسر آیا ہوتا تو ان کی خدمات کی نوعیت کیفیت اور کمیت کے لحاظ سے کتنی مختلف ہوتی۔ اسی مسئلہ کے تعلق سے گذشتہ دنوں ایک مراسلہ اور اشتہار علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں نظر سے گزرے جو ان کے دستخط سے شائع ہوئے تھے۔ علامہ شبلی کے قلم سے اشاعت وحفاظت اسلام کے موضوع پر نکلی ہوئی یہ دونوں غیر مدون تحریریں ہدیۂ ناظرین ہیں۔

۱۔ مراسلہ:

دین سے ناواقف مسلمانوں کی مردم شماری

بخدمت برادران اسلام۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھ کو معلوم ہے کہ بہت سے ایسے قصبات اور دیہات ہیں جہاں کے مسلمان اسلام کے احکام وفرائض سے بالکل ناواقف ہیں یہاں تک کہ ان کا لباس اور وضع بلکہ نام تک ہندوؤں کے سے ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ ارادہ کیا گیا ہے کہ چند اشخاص کو بطور انسپکٹر مقرر کر کے ان دیہات کا دورہ کرایا جائے اور ان کی مردم شماری اور رپورٹ حاصل کی جائے۔ اس لیے تمام برادران اسلام کی خدمت میں گزارش ہے کہ ان کے ضلع میں اگر اس قسم کے دیہات ہیں تو وہ مجھ کو مطلع فرمائیں تاکہ ان سے مزید خط وکتابت اور انسپکٹر کے پہنچنے کا بندوبست کیا جائے۔

والسلام

شبلی نعمانی

ندوہ، لکھنؤ (۱۱)

۲۔ اشتہار:

نومسلموں کی آبادی کے لیے انسپکٹر

ہم کو چند ایسے اشخاص درکار ہیں جو ان آبادیوں کا دورہ کریں اور وہاں کی رپورٹ لکھ کر لائیں جہاں وہ مسلمان رہتے ہیں جو اسلام کے احکام سے بالکل ناواقف ہیں۔ تنخواہ کی مقدار اور طریق کارگذاری خط وکتابت سے طے ہو سکتی ہے۔

شبلی نعمانی

حواشی

۱۔ سید سلیمان ندوی، حیات شبلی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڈھ، ۲۰۱۵ء، ص ۴۱۴، ۴۱۸۔ (۲) مصدر سابق، ص ۵۲۵، نومسلم راجپوت اور حفاظت اسلام مشمولہ مقالات شبلی، مرتبہ سید سلیمان ندوی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڈھ، ۲۰۱۰، جلد ہشتم، ص ۱۴-۱۶۔ (۳) مصدر سابق، ص ۵۲۶۔ (۴) تفصیل کے لیے دیکھیے حیات شبلی، ص ۵۲۷-۵۲۸۔ (۵) مصدر سابق، ص ۵۲۸۔ (۶) مصدر سابق۔ (۷) مصدر سابق، ص ۵۴۰۔ (۸) مصدر سابق، ص ۵۳۱۔ (۹) سید سلیمان ندوی (مرتب)، مکاتیب شبلی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڈھ ۲۰۱۰ء، حصہ اول، ص ۱۸۸۔ (۱۰) حیات شبلی، ص ۵۹۲-۵۹۳۔ (۱۱) علی گڈہ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، ۲۴ جنوری ۱۹۱۲ء، ص ۷۔ (۱۲) مصدر سابق ۲۱ فروری ۱۹۱۲، ص ۱۳۔

معارف کی ڈاک

سلیمانیات میں چند نئے اضافے

جناب طلحہ نعمت ندوی

ابھی ایک دو سال کے عرصہ میں علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمۃ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں نیز تصانیف پر متعدد اہم علمی کام منظر عام پر آئے ہیں جن کا تعارف ذیل میں نذر قارئین کیا جارہا ہے۔

سید صاحب کی کتاب عربوں کی جہاز رانی کا عربی ترجمہ مشہور مصری فاضل اور اردو کتابوں کے مترجم جلال سعید حفناوی کے قلم سے دار الثقافہ مصر سے شائع ہوا ہے، ارض القرآن کا عربی ترجمہ مشہور ندوی فاضل ڈاکٹر محمد اکرم صاحب ندوی نے دار القلم دمشق کی ایما پر بہت پہلے ہی کر دیا تھا، لیکن ناشر کی طرف سے اس پر مفصل حواشی اور توضیحات کا مطالبہ تھا جس کی بنا پر اس کتاب کی اشاعت ایک مدت تک معرض التوا میں رہی، آخرکار طویل مدت انتظار کے بعد جب ڈاکٹر صاحب اس کے لیے وقت نہیں نکال سکے تو بغیر حواشی ہی کے اسے شائع کر دیا گیا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ارض القرآن کے انگریزی ترجمہ کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ کام ایک ممتاز ندوی فاضل سید مظفر الدین ندوی نے انجام دیا تھا، جو ''جیوگرافیکل ہسٹری آف دی ہولی قرآن'' کے نام سے شائع بھی ہوگیا تھا لیکن شاید اس کا علم بہت کم لوگوں کو ہوگا کہ وہ ارض القرآن کا مکمل ترجمہ نہیں ہے بلکہ اس سے مستفاد ہے، جس میں سید صاحب کی بہت سی اہم تحقیقات نظر انداز ہوگئی ہیں، اس لیے کہ مصنف نے اور دوسرے مآخذ کو بھی پیش نظر رکھا ہے، نیز یہ کام بھی مکمل نہیں ہوسکا، اس کی پہلی جلد کے علاوہ مزید کسی اور جلد کی اشاعت کا علم نہیں، اس طرح اس میں بھی ارض القرآن کے صرف پہلے ہی حصہ کے مباحث آسکے ہیں، اس کتاب کا ترجمہ بھی

استھانواں، بہار شریف۔

تیس، چالیس سال قبل ہی مصر سے ''التاریخ الجغرافی للقرآن الکریم'' کے نام سے شائع ہوا تھا لیکن حضرت مترجم کی علمی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ (انگریزی کے لفظ ندوی) کا ترجمہ عربی میں ''نادفی'' کرتے ہیں، ہر جگہ انہوں نے یہی نسبت استعمال کی ہے۔ کاش کہ سید صاحب کی کتاب بروقت ان دونوں زبانوں میں منتقل ہوتی تو اہل علم کو اس کی قدر و قیمت اور معنویت کا اندازہ ہوتا، اب جب کہ تحقیق کا قدم بہت آگے بڑھ چکا ہے اس کتاب کے مباحث وتحقیقات قدیم ہوچکی ہیں البتہ اس فن میں اولیت کا سہرا سید صاحب کے سر ہی رہے گا۔

سید صاحب کے حالات پر بھی عربی میں ایک رسالہ بھی محترم جناب مولانا شاہ تقی الدین صاحب فردوسی ندوی نے مرتب کیا ہے جو ''عبقریۃ العلامۃ السید سلیمان الندوی'' کے نام سے شائع ہوچکا ہے، یہ درحقیقت موصوف کا سید صاحب کی ادبی خدمات کے حوالہ سے سیمینار بہار شریف (منعقدہ اپریل ۲۰۱۶) کے لیے لکھا گیا مفصل مقالہ ہے۔

اردو میں اس عرصہ میں سید صاحب کے متعلق جو کام ہمارے علم میں ہیں ان میں محترم ڈاکٹر سید ارشد اسلم صاحب کی ''سید سلیمان ندوی کا ترک وطن اسباب وحقائق'' قابل ذکر ہے، موصوف سید صاحب کے عزیزوں میں ہیں، اور ماہر سلیمانیات ہیں، اس سے قبل بھی ان کی کئی کتابیں اس حوالہ سے منظر عام پر آچکی ہیں۔ اس کے علاوہ قدیم مضامین کے دو مجموعے راقم نے ترتیب دیے ہیں، دونوں کی ضخامت تقریباً ۴۰۰ صفحات ہے، پہلا مجموعہ جناب سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب کے سید صاحب کی شخصیت اور کمالات کے مختلف پہلوؤں پر لکھے گئے منتشر مضامین کا مجموعہ ہے اور دوسرے میں ان کے اہل وطن اور تلامذہ کے تاثراتی مضامین شامل ہیں۔ نیز سیمینار بہار شریف کے مقالات کا مجموعہ بھی ''علامہ سید سلیمان ندوی کی ادبی خدمات'' کے نام سے منظر عام پر آچکا ہے جو انٹرنٹ پر بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ سید صاحب کے چند خطوط اہل وطن کے نام ملے ہیں ان کو حواشی کے ساتھ جلد ہی انشاء اللہ پیش خدمت کروں گا۔

والسلام

طلحہ نعمت ندوی

وفیات

ڈاکٹر جمیل جالبی مرحوم

(۱۹۲۹—۲۰۱۹ء)

۱۹/اپریل کے اردو اخباروں میں خبر آئی کہ ممتاز نقاد و محقق اور مترجم و ادیب ڈاکٹر جمیل جالبی کا طویل علالت کے بعد کراچی میں انتقال ہو گیا۔ شہرت و عزت کی طرح عمر بھی بابرکت ملی، غیر منقسم ہندوستان کے علی گڑھ میں ۱۲/جون ۱۹۲۹ء کو وہ پیدا ہوئے یعنی قریب نوّے سال کی عمر پائی۔

پاکستان کی اردو دنیا کی اب کیا حالت ہے، اس کا قافلہ کس سمت میں اور کس رفتار سے رواں ہے؟ اس کی کچھ زیادہ خبر نہیں آتی، لیکن اتنا ضرور ہے کہ تقسیم ہند کے بعد جن لوگوں نے اردو کے ذریعہ دلوں کو جوڑنے اور حکایت مہر و وفا بیان کرنے کے فریضہ کو ترک نہیں کیا، ڈاکٹر جمیل جالبی کا شمار بھی ایسے ہوش منداور دردمند اہل قلم میں ہمیشہ ہوتا رہا۔

علی گڑھ، میرٹھ اور سہارنپور میں ڈاکٹر شوکت سبزواری، پروفیسر غیور اور پروفیسر کرار حسین جیسے اساتذہ ان کو ملے، ترک وطن کے بعد ان کو پروفیسر غلام مصطفیٰ خاں جیسے فاضل کی سرپرستی ملی جن کو جالبی استاذ الاساتذہ اور نابغہ روزگار ہستی مانتے تھے، ان کی تعریف وتوصیف میں جالبی صاحب کی تحریر بجائے خود اظہار عقیدت ومحبت کی بڑی خوبصورت تصویر ہے، ان کے تعارف میں جب یہ لکھا کہ ’’وہ رسولؐ کے عاشق، سنت کے پیروکار، شریعت وطریقت کے پابند ہیں‘‘ تو گویا انہوں نے اپنی طبیعت اور سرشت کا بھی ایک آئینہ رکھ دیا، جس کو دیکھ کر ان کی علمی ترقیوں اور اس سے زیادہ ان کے نہایت سلجھے، متوازن انداز مطالعہ اور اس سے بھی بڑھ کر تحقیق کی وادیوں میں سیدھی ڈگر پر ان کے گامزن رہنے کا راز بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔

انہوں نے سندھ یونیورسٹی سے قدیم اردو ادب پر ڈاکٹریٹ اور مثنوی کدم راؤ پدم راؤ پر ڈی لٹ کی سندیں حاصل کیں، یہ دونوں مقالے شائع ہوئے اور ان کے علاوہ ان کی قریب بیس

کتابیں شائع ہوئیں اور یہ گویا سب کی سب تحقیق و تنقید سے متعلق ہیں، لیکن جس کتاب نے ان کو واقعی شہرت و وقعت بخشی وہ تاریخ ادب اردو ہے، غالباً یہ چار جلدوں میں ہے، واقعہ ہے کہ یہ محققین کی ایک جماعت کا کام تھا جو جمیل صاحب نے تنہا انجام دیا اور اس کو کارنامہ بنا دیا، اس میں وہ محض راوی و ناقل نہیں بلکہ ایک پختہ شعور کے حامل ہیں کہ قدیم ادب کا مطالعہ، تہذیبی و معاشرتی ولسانی عوامل کی روشنی میں اسی طرح کیا جانا چاہیے جیسے جدید ادب کے مطالعہ میں یہ شرط اول ہے کہ جدید ادب کو سمجھنے کے لیے قدیم ادب کا سمجھنا ضروری ہے، انہوں نے اس مطالعہ میں اثرات و روایات کا ایک سلسلہ تلاش کیا جو گجرات، دکن اور شمال میں ایک دوسرے سے پیوست تھا، ان کو یہ حقیقت تحقیق کی نئی صورت کی طرح نظر آئی، اس کتاب نے جمیل جالبی کو جو جمال و جاذبیت بخشی وہ اب خود ایک دستاویز ہے لیکن اس کتاب کے متعلق ان کا یہ کہنا اچھا لگا کہ ''میرے جنون اور علم و ادب کے عشق نے ستائش کی تمنا اور صلہ کی پروا سے بے نیاز کر کے یہ جوئے شیر مجھ سے ہنسی خوشی کھدوائی، یہ تاریخ ادب میری اپنی روح کا سفر ہے جسے میں نے برعظیم کی تہذیبی روح میں تلاش کیا ہے''۔ یہ سفر ۱۹۷۵ء میں سامنے آیا، اس کے بعد جالبی صاحب پاکستان کے اردو افق پر شفق بکھیرتے رہے، مسلسل محنت و جانفشانی سے خود ان کی زندگی تابندہ تر ہوتی رہی، ہائی اسکول کی ہیڈ ماسٹری سے کراچی یونیورسٹی کی وائس چانسلری تک سفر یوں ہی نہیں طے کیا جا سکتا۔

۱۹۸۷ء میں وہ مقتدرہ قومی زبان کے چیئرمین بنائے گئے، یہاں بھی انہوں نے آغاز ایک تاریخی کارنامہ سے کیا، نیت پہلے سے تھی، اب عہدہ اور موقع ملا تو مہینوں غور و مشورہ کر کے ایک انگریزی اردو لغت کی داغ بیل ڈالی جو وسیع تر دائرہ کو شامل تھی، جب اس لغت کی پہلی جلد شائع ہوئی تو انہوں نے بڑے انکسار سے اس کا سہرا اپنے تمام رفقا کے سر باندھا، رفقا کی یہ جماعت زبان دانوں کی کہکشاں تھی جس نے اس لغت کو واقعی سجا کر رکھ دیا۔

ان کی علمی و تحقیقی زندگی میں پاکیزگی اور مقصد کی بلندی صاف نظر آتی ہے، شاید اس میں ان کے استاذ غلام مصطفیٰ خاں کی یہ تلقین کارفرما رہی کہ دین کی تکمیل، علم، عمل اور اخلاص سے ہوا کرتی ہے، دنیوی معاملات کے لیے بھی یہی تین چیزیں ضروری ہیں۔ اس تلقین کی موجودگی ان کی تحریروں میں جگہ جگہ نظر آتی ہے، انہوں نے لسانی، نسلی و علاقائی تعصب کو قریب سے دیکھا لیکن

وہ ہر جگہ ان رویوں کے منادی و مبلغ بنے رہے جن سے اتحاد کی فضا پیدا ہو اور معاشرہ منفی و انتہا پسندانہ اغراض سے گریز کر کے اپنی جبلی و وہبی صلاحیتوں کا اظہار کرنے لگے، بقول ان کے یہی وصل کا راستہ ہے اور باقی سارے فصل کے راستے ہیں۔ اردو کے بارے میں انہوں نے ماریشس کے ایک جلسے میں جو کہا وہ بار بار دہرائے جانے کے لائق ہے، اس خطبہ میں اردو کو ملاپ کی زبان بتاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ زبان کی یہ وہ صورت گری تھی جس نے برصغیر میں محبت کے ایک فطری روپ کو جنم دیا اور الفاظ کے ایسے جوڑے اور ترکیب بنائے جو دو زبانوں کے ہوتے ہوئے اردو میں لسانی سنگم کا دلکش اظہار بن گئے، مثال میں انہوں نے امام باڑہ، پھٹے حال، جمع پونجی، حافظ جی، حلوہ پراٹھا، دل کا فساد، دھن دولت، کفن چور جیسے الفاظ کی دلچسپ فہرست بنادی، اس میں سب سے پہلے انہوں نے اعظم گڑھ کا نام لیا کہ عربی، ہندی ملاپ کا یہ خوبصورت اظہار ہے، اعظم گڑھ کا نام کراچی رہتے ہوئے ماریشس میں لیا جانا بے سبب نہیں رہا ہوگا، ان کو دارالمصنّفین سے تعلق تھا، سید صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم جب پاکستان تشریف لے گئے اور انجمن ترقی اردو میں ان کے اعزاز میں جلسہ ہوا تو جمیل جالبی مرحوم ہی اس کے صدر تھے، اسی طرح سید صاحب کے اعزاز میں کراچی میں جب حکیم محمد سعید کی صدارت میں ایک منتخب علمی نشست آراستہ ہوئی تو اس کے مہمان خصوصی جمیل جالبی ہی تھے۔

ان کے انتقال سے ایک بڑی فعال، نافع اور با مقصد زندگی تھی جو رخصت ہوئی، پاکستان کا تو پتہ نہیں ہندوستان میں بس چند تعزیتی مضامین ہی اب تک دیکھنے کو ملے، ان میں ڈاکٹر محمد احسن فاروقی کا یہ جملہ جمیل شناسی میں بڑے کام کا ہے کہ ''مجھے اردو کا کوئی نقاد دکھائی نہیں دیتا جو (ان کی طرح) اتنا وسیع علم رکھتا ہو''۔

خدا ان کی بال بال مغفرت فرمائے جمیلہ ہاشمی کی تربت پر ان کی زبان پر مصحفیؔ کا ایک شعر آیا تھا، قدرے ترمیم کے ساتھ یہاں نقل کیا جاسکتا ہے ؎

کیا تماشا نظر آتا ہے انہیں حیراں ہوں
لوگ کیوں خاک کے پردے میں چلے جاتے ہیں

(ع۔ص)

ادبیات

غزل

جناب حزیںؔ کاندھلوی ندوی

غم کی طویل شب کا اثر کون دیکھتا
”بے نور تھا چراغِ سحر کون دیکھتا؟“

خوناب چشم ہجر کو رنگیں تو کرگیا
کتنا لہو ہوا ہے جگر کون دیکھتا؟

تیر نظر، نظر پہ چلا، دل پہ مڑ گیا
سفاکئ کمال ہنر، کون دیکھتا؟

نالے مری فغاں کے فلک چیرتے رہے
ہوتا رہا میں قتل مگر، کون دیکھتا؟

اس کا دروغ شہر میں کہرام کرگیا
چڑھ آئے مجھ پر فیل وشتر کون دیکھتا؟

ہم خوگرِ تموجِ بحرِ حیات تھے
نکلا وہ ناخدا ہی خضر، کون دیکھتا؟

تہذیب نو کی صبح نمودار جب ہوئی
ہر چیز تھی اِدھر کی اُدھر، کون دیکھتا؟

یہ ارتقائے عہد تھا اس کے دیار میں
ٹھوکر میں تھا غریب کا سر، کون دیکھتا؟

دستِ انا نے باگِ وفا چھین لی حزیںؔ
روتا تھا الفتوں کا سفر، کون دیکھتا؟

☆ جناب مولانا محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی، ندوی، تعمیر حیات، ندوہ، لکھنؤ۔

غــزل

جنــاب انس مسرور انصــاریؔ

بساط زندگی خونریز لمحوں کا تماشا ہے
خدا خاموش، انساں دم بخود، حیرت میں دنیا ہے

ہمیں اس قوم کے بیٹے ہیں جس کی جاں نثاری نے
شعور سرفروشی کو نیا انداز بخشا ہے

شکستِ آدمیت سے عجب حالت ہے انساں کی
سمجھ میں کچھ نہیں آتا یہ روتا ہے کہ ہنستا ہے

تمام آئینہ خانے اضطراب شوق سے زخمی
ذرا دیکھو کوئی چہرہ چمکتا ہے دمکتا ہے

سب اپنی اپنی تنہائی کے جنگل میں بھٹکتے ہیں
بھرا ہے شہر لوگوں سے مگر ویران لگتا ہے

کشاکش کا وہ عالم ہے کہ بجھ کے رہ گیا ہے دل
نہ اب جینے کی خواہش ہے نہ مرنے کی تمنا ہے

غریبی، تنگ دستی، ذلت و رسوائی، تنہائی
انس مسرورؔ دیکھو اپنے دامن میں بھی کیا کیا ہے

☆☆☆☆☆

☆نیشنل اردو تحریک، اردو بازار، سکراول، ٹانڈہ امبیڈکر نگر (یو۔پی) Mob: 7860220311, 9453347784

مطبوعات جدیدہ

خصائل نبویؐ شرح شمائل النبیؐ للترمذی: تالیف مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ تحقیق وتعلیق مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی، قدرے بڑی تقطیع، بہترین کاغذ وطباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۱۰۷، قیمت درج نہیں، پتہ: جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ (یو، پی) فون نمبر ۹۴۵۰۸۷۶۴۶۵ اور دیو بند اور لکھنؤ کے مشہور مکتبے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کا ہر لمحہ اور ہر پل اس لائق ہے کہ تصور وتصدیق دونوں طرح سے دل ودماغ کا مرکز بن جائے، لیکن آپؐ کے اخلاق وعادات اور خود آپؐ کے انسانی وجود کا بیان سیرت طیبہ کا سب سے روح پرور حصہ ہے، شمائل وخصائل کے الفاظ ہی سے شوق، محبت بلکہ دیوانگی کے جذبات ابھرنے لگتے ہیں اور اسی بے پناہ محبت کے سرچشمے سے ایمان کی تازگی اور تراوش کا لطف آنے لگتا ہے، کتب حدیث میں شمائل کا باب اسی لیے نہایت اہم قرار پایا اور وقت کے ساتھ ساتھ شمائل کے موضوع پر تالیفات کا ایک خزانہ سامنے آتا گیا، اس خزانہ میں امام ترمذی کی شمائل کی قسمت میں جو حسن قبول آیا وہ اپنی مثال آپ ہے، خدا جانے کتنے اصحاب علم حدیث نے اس شمائل ترمذی کی شرحیں لکھیں، ترجمے کیے اور شاید ہی کوئی سیرت نگار ہو جو شمائل کی دید سے محروم رہا ہو، شیخ الحدیث مولانا کاندھلوی سہارنپوری نے قریب سو سال پہلے یعنی ۱۳۴۳ھ میں شمائل کا ترجمہ کیا، جا بجا عبارتوں کی توضیح وتشریح کی اور اس میں یہ احتیاط ملحوظ رکھی کہ خود رائی نہ در آئے، اس لیے اکثر مضامین اکابر قدما جیسے ملا علی قاری، شیخ عبدالرؤف مصری، شیخ ابراہیم بیجوری اور حافظ ابن حجر عسقلانی سے لیے، ترجمہ میں سلاست ومطلب خیزی پر خاص توجہ رہی، ضرورت ہوئی تو ترجمہ کے ساتھ فائدہ کے تحت کہیں قوس میں کہیں بے قوس ہی پیش کر دیے گئے، اختلاف مسالک میں عموماً حنفیہ کے ذکر کو خاص کیا گیا کہ قرب وجوار کے باشندے زیادہ تر حنفی ہیں، ان کے علاوہ اور بھی علمی امور کا خیال رکھا گیا کہ احادیث میں اگر تعارض نظر آیا تو اس کو مختصر طور سے اس طرح دور کیا گیا کہ پڑھنے والا مطمئن ہو جائے، اس کی ایک عمدہ مثال میراث رسولؐ کے باب کی بحث ہے، جہاں

حضرت عباسؓ و علیؓ نے حضرت عمرؓ کے سامنے ایک مشکل رکھی اور حضرت عمرؓ نے اکابر حضرات صحابہؓ کی رائے وتوثیق سے اپنے عمل کی وضاحت فرمائی، اس قصہ میں کچھ مقامات ایسے ہیں جہاں ایک عام قاری کے ذہن میں سوالات اٹھ سکتے ہیں، مثلاً حضرت عباسؓ کا حضرت علیؓ کو ظالم کہنا یا آپس میں سخت کلامی کرنا، شیخ الحدیث نے لکھا کہ بظاہر یہ باتیں مستبعد معلوم ہوتی ہیں مگر ایک تو حضرت عباسؓ حضرت علیؓ کے چچا ہیں، اس حیثیت سے ان کو تنبیہ کا حق ہے، دوسرے جب وہ حضرت علیؓ کو ناحق سمجھ رہے ہیں تو ان کے فعل کو ظلم ہی سمجھیں گے، ان اکابر کی شان میں کسی قسم کا سوء ظن کرنا صریح بے ادبی ہے، ان کے عمل کی وجہ صرف یہ تھی کہ جس کام کو وہ شرعی حق سمجھتے تھے، اس کے خلاف پر انکار کرتے تھے، حضرت شیخ کی یہ تحقیق تفصیل سے ہے اور آج کل اس کو پھر سے غور سے پڑھنے کی ضرورت ہے کہ مشاجراتِ صحابہؓ پر رائے زنی کرتے ہوئے مقامات و درجات صحابہؓ کا تعین کتنا ضروری ہے، حضرت شیخ نے قریب اٹھائیس سال کی عمر میں اس ترجمہ کی سعادت حاصل کی تھی لیکن کمال یہ ہے کہ اس ترجمہ کی روانی، سلاست اور عام فہمی آج بھی بے داغ ہے، فاضل محقق مولانا تقی الدین ندوی نے بعض اکابر کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اردو ترجمہ بعض جگہ بالکل الہامی ہے، حدیث کے جمع و تحقیق اور شرح میں نادر تحقیقات بھی محض تائید الٰہی کا ثمرہ ہے، فاضل محقق کو اللہ تعالیٰ نے اپنے شیخ کے کمالات و اکتسابات کے عالمی تعارف و فروغ کی جو سعادت بخشی وہ اوجز المسالک، بذل المجہود اور الکوکب الدری جیسی کتابوں کی جدید ترین طباعت و اشاعت سے ظاہر ہے، خود فاضل محقق نے تصحیح نسخہ کے ساتھ محدث احمد علی سہارنپوری کے نسخہ سے مقارنہ حواشی میں اختلاف نسخ احادیث و ابواب کی ترقیم اور صحاح ستہ سے تخریج احادیث، اصل نسخوں سے مراجعت وغیرہ کا جس طرح اہتمام فرمایا اس سے یہ نسخہ اور بھی کامل بن گیا، مولانا ندوی کے ان علمی کارناموں کا معارف میں تفصیل سے ذکر آجانا چاہیے، خود زیر نظر کتاب میں مولانا کا عربی مقدمہ نہایت عالمانہ ہے، مولانا سید محمد رابع ندوی نے دعا دی کہ **وفقه الله تعالیٰ لا كثر من ذلك وبارك فيه**، ہم بھی آمین کہتے ہیں۔

(ع۔ص)

رسید کتب موصولہ

اصداف الدرر: ترتیب و تدوین جدید، حسن نواز شاہ و زین الحید رعلوی، مخدومہ امیر جان لائبریری نڑالی، تحصیل گوجر خاں، ضلع راولپنڈی۔ قیمت: ۵۰۰ روپے

تہذیب و تیسیر نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر: حافظ ابن حجر عسقلانی، مولانا سلمان حسینی الندوی، مکتبہ الشباب العلمیہ شارع ندوۃ العلما، لکھنؤ۔ قیمت: ۱۰۰ روپے

حفیظ جونپوری (ارباب ادب کی نظر میں): محمد عرفان جونپوری، عدیلہ پبلی کیشنز، ڈومن پورہ، مئوناتھ بھنجن۔ قیمت: ۱۷۳ روپے

رباعیات کندن: کندن لال کندن، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، جامع مسجد دہلی۔

قیمت: ۲۵۰ روپے

ریزہ کاری: اشتیاق سعید، راعی بکڈپو، پرانا کٹرہ، الہ آباد۔ قیمت: ۱۰۷ روپے

قاری علیم الدین قاسمی (حیات وخدمات): شریف احسن مظہری، کرن بکڈپو، مین روڈ، رانچی۔ قیمت: ۱۲۰ روپے

قرآن کا تصور عروج وزوال: مرتب ابوسعد اعظمی، ادارہ علوم القرآن، شبلی باغ علی گڈھ۔

قیمت: ۲۵۰ روپے

موجودہ تہذیب وتمدن اور عالم اسلام: مولانا سید محمد واضح رشید ندوی، مکتبہ اسلام گوئن روڈ، امین آباد لکھنؤ۔ قیمت: ۱۸۰ روپے

مولانا سلمان حسینی کے عقائد جمہور اہل سنت کی میزان میں: عرفان نصر فاروقی ندوی، مکتبہ احسان لکھنؤ۔ قیمت: ۳۰۰ روپے

نقوشِ فکر وادب: مولانا سید واضح رشید ندوی، مکتبہ اسلام گوئن روڈ، امین آباد، لکھنؤ۔

قیمت: ۱۴۰ روپے

تصانیف علامہ شبلی نعمانیؒ

کتاب	قیمت
سیرۃ النبیؐ جلد اول ودوم (یادگار ایڈیشن)	2000/-
سیرۃ النبیؐ (خاص ایڈیشن مکمل سیٹ ۷ جلدیں) علامہ شبلی و سید سلیمان ندوی	2200/-
مقدمہ سیرۃ النبیؐ	30/-
الفاروق	300/-
الغزالی	200/-
المامون	175/-
سیرۃ النعمان	300/-
سوانح مولانا روم	220/-
شعر العجم اول	300/-
شعر العجم دوم	150/-
شعر العجم سوم	125/-
شعر العجم چہارم	200/-
شعر العجم پنجم	150/-
الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی (محقق ایڈیشن) تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	350/-
الکلام	250/-
علم الکلام	200/-
موازنہ انیس و دبیر	250/-
اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر	100/-
سفرنامہ روم ومصر وشام	200/-
کلیات شبلی (اردو)	220/-
کلیات شبلی (فارسی)	45/-
مقالات شبلی اول (مذہبی) مرتبہ: سید سلیمان ندوی	170/-
مقالات شبلی دوم (ادبی) 〃	70/-
مقالات شبلی سوم (تعلیمی) 〃	80/-
مقالات شبلی چہارم (تنقیدی) 〃	200/-
مقالات شبلی پنجم (سوانحی) 〃	150/-
مقالات شبلی ششم (تاریخی) 〃	90/-
مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ) 〃	100/-
مقالات شبلی ہشتم (قومی واخباری) 〃	110/-
خطبات شبلی مرتبہ: عبدالسلام ندوی	80/-
انتخابات شبلی مرتبہ: سید سلیمان ندوی	45/-
مکاتیب شبلی اول 〃	150/-
مکاتیب شبلی دوم 〃	190/-
اسلام اور مستشرقین چہارم (علامہ شبلی کے مقالات)	250/-

ISSN 0974 - 7346 Ma'arif (Urdu) -Print

May 2019 Vol - 203 (5)

RNI. 13667/57 **MA'ARIF** AZM/NP-43/019

Monthly Journal of

Darul Musannefin Shibli Academy

P.O.Box No: 19, Shibli Road, Azamgarh, 276001 U.P. (India)

مطبوعات شبلی صدی

۱۔	سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن)	علامہ شبلی نعمانی	2000/-
۲۔	شبلی کی آپ بیتی	ڈاکٹر خالد ندیم	325/-
۳۔	دارالمصنّفین کے سو سال	کلیم صفات اصلاحی	350/-
۴۔	شذرات شبلی (الندوہ کے شذرات)	مرتبہ: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	220/-
۵۔	محمد شبلی لائف اینڈ کنٹری بیوشنس	ڈاکٹر جاوید علی خاں	230/-
۶۔	حیات شبلی	علامہ سید سلیمان ندوی	650/-
۷۔	مولانا الطاف حسین حالی کی یاد میں	اشتیاق احمد ظلی	250/-
۸۔	حیات سعدی	تصنیف: خواجہ الطاف حسین حالی	400/-
۹۔	شبلی شناسی کے اولین نقوش	مرتبہ: ظفر احمد صدیقی	600/-
۱۰۔	شبلی ایک دبستان	آفتاب احمد صدیقی	250/-
۱۱۔	متاع رفتگاں	شاہ معین الدین احمد ندوی	200/-
۱۲۔	یہود اور قرآن مجید	مولانا ضیاء الدین اصلاحی	150/-
۱۳۔	رسائل شبلی	علامہ شبلی نعمانی	300/-
۱۴۔	اردو ترجمہ مکاتیب شبلی	ڈاکٹر خالد ندیم	110/-
۱۵۔	تاریخ بدء الاسلام (علامہ شبلی نعمانی)	مرتبہ: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	300/-
۱۶۔	مراسلات شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	150/-
۱۷۔	مطالعات شبلی	مرتبہ: اشتیاق احمد ظلی	550/-
۱۸۔	الفاروق (ہندی)	علامہ شبلی نعمانی	450/-
۱۹۔	الندوہ (جلد ۱۔۹)		4735/-